شمارہ 7 جلد 21

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

وفا 1359 ہش

جولائی 1980ء

ایڈیٹر

مرزا غلام احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

• رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ
• وفا ۱۳۵۹ ہش
• جولائی ۱۹۸۰ء

ایڈیٹر
مرزا غلام احمد ایم ۔ اے

قیمت سالانہ ۔/۱۵ روپے
فی پرچہ ... ڈیڑھ روپیہ

فہرست مضامین

پبلشر ..... چوہدری محمد ابراہیم
مطبع ..... ضیاء الاسلام پریس ربوہ
مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصاراللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد ۲۰	ماہنامہ انصار اللہ ربوہ	شمارہ ۷

وفا ۱۳۵۹ ہش

روزہ
اور اس کی فضیلت و برکات

روزہ کے لئے عربی زبان میں صوم کا لفظ بولا جاتا ہے جس کے معنے کسی چیز سے رکنے یا باز رہنے کے ہوتے ہیں۔

الصوم ھو الامساك عن ای شیٔ کان (مفردات)

یعنی کسی چیز سے رکنے کا نام صوم ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بات چیت سے باز رہنے کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

اسلامی شریعت کی رو سے صوم (روزہ) یہ ہے کہ انسان عبادت کی نیت سے پو پھٹنے سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی تعلقات سے باز رہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

بن جاتا ہے۔

اسلام نے روزہ کو جس شکل میں پیش کیا ہے۔ وہ باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ اسلام میں فرض روزوں کی صورت یہ ہے کہ ہر بالغ عاقل مسلمان کو برابر ایک مہینہ ماہ رمضان کے روزے رکھنے کا حکم ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو یا بالکل بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہو۔ بیمار اور مسافر کے لئے حکم ہے کہ وہ دوسرے اوقات میں روزے رکھ کر گنتی پوری کرلیں لیکن جو بالکل بوڑھے اور معذور ہیں ان کے لئے کوئی روزہ نہیں۔ روزہ یہ ہے کہ پو پھٹنے سے لے کر سورج غروب ہونے تک انسان نہ کوئی چیز کھائے نہ پئے نہ کم نہ زیادہ اور نہ ہی مخصوص تعلقات کی طرف توجہ کرے۔ پو پھٹنے سے پہلے وہ کھانا کھالے۔ تاکہ جسم پر غیر معمولی بوجھ نہ پڑے اور غروب آفتاب پر روزہ افطار کرے۔ صرف شام کو ہی کھانا کھا کر متواتر روزے رکھنا اور سحری نہ کھانا اسلامی شریعت نے پسند نہیں کیا۔

-• روزہ کی فضیلت،

یوں تو اسلام کی ساری عبادتیں اپنی اپنی جگہ پر ضروری اور بڑی شان کی حامل ہیں۔ لیکن روزہ کو ایک خاص امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ روزہ دار کے لئے خدا تعالیٰ کا وجود ایک حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے۔ وہ صبح سے شام تک بھوک اور پیاس کے باوجود کھانا پینا صرف اس لئے ترک کر دیتا ہے کہ اس کے خدا کا اسے حکم ہے کہ وہ ایسا کرے۔ شدید بھوک کے باوجود کھانے کا ایک لقمہ تک وہ اپنے منہ میں نہیں ڈالتا۔ سخت گرمی کے دنوں میں پیاس سے اس کا حلق خشک ہو رہا ہوتا ہے ٹھنڈے اور شیریں مشروب اسے میسر ہوتے ہیں۔ اور اپنے گھر کے بند کمرے میں اسے کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا۔ لیکن یہ سب کچھ حاصل ہونے کے باوجود وہ پانی کا ایک قطرہ تک اپنے حلق میں نہیں اُتارتا۔ صرف اور صرف اس یقین کی وجہ سے کہ اس کا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی ہستی ہر وقت اس کے سامنے رہتی ہے۔ اسی لئے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ تعالیٰ
من ریح المسک یترک طعامہ وشرابہ وشھوتہ من اجلی
الصیام لی وانا اجزی بہ والحسنۃ بعشر امثالھا (بخاری)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ وہ اپنا کھانا اور پینا اور جنسی تعلقات صرف میری خاطر ترک کر دیتا ہے۔ روزہ میرے ہی لئے رکھا جاتا ہے۔ اور میں خود اس کی جزا بنوں گا۔ یعنی اس کے بدلہ میں اپنا دیدار نصیب کروں گا۔ جبکہ عام نیک کام کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔

پس روزہ کو خاص فضیلت حاصل ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ اور روزہ دار اپنے عمل سے اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ یہ عبادت صرف ریا کے لئے بجا نہیں لائی جا سکتی۔ کیونکہ انسان پر بہت سے لمحات ایسے آتے ہیں جبکہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا اس وقت بھی اگر وہ روزہ کو قائم رکھتا ہے۔ تو گویا وہ خدا تعالیٰ کے وجود پر اپنے ایمان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم روزہ کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

قال ان فی الجنة باباً یقال له الریان یدخل منه الصائمون یوم القیامة لا یدخل منه احدٌ غیرهم یقال این الصائمون فیقومون لا یدخل منه احدٌ۔ فاذا دخلوا اغلق فلم یدخل منه احدٌ (بخاری)

حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جسے الریّان کہا جاتا ہے۔ اس دروازہ میں سے قیامت کے دن روزہ دار جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے سوا کوئی اور اس سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس روز پکارا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں اس پر وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان کے سوا کسی اور کو اس دروازے سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور جب سب روزہ دار جنت میں چلے جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ اور پھر کوئی شخص اس دروازہ سے داخل نہیں ہو سکے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ داروں کو ممتاز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ

(البقرة: ۱۸۸)

کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد صبح سے رات تک روزوں کی تکمیل کرو۔

اور حدیث میں آتا ہے۔

یترک طعامہ وشرابہ وشہوتہ من اجلی (بخاری)

کہ روزہ دار میری خاطر اپنا کھانا پینا اور جنسی تعلقات ترک کردیتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (البقرة ۱۸۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر بھی روزوں کا رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے۔ جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تاکہ تم روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے بچو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ روزوں کی فرضیت مسلمانوں کے لئے کوئی نیا حکم نہیں بلکہ پہلی امتوں کو بھی انہیں کا حکم تھا۔ چنانچہ مذاہب کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے قرآن مجید کے اس ارشاد کی صداقت واضح ہوجاتی ہے۔ شاید ہی کوئی مذہب ایسا ہو جس میں کسی نہ کسی رنگ میں روزہ کا ذکر موجود نہ ہو۔ یہودیت، عیسائیت، ہندو مذہب کنفیوشزم وغیرہ سب مذاہب میں روزہ کا ذکر ملتا ہے۔ غرض روزہ روحانی ترقی کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے۔ اور تمام امتیں روزوں سے برکتیں حاصل کرتی رہی ہیں۔ تاہم اسلام سے پہلے روزہ عام طور پر کسی مشکل اور مصیبت کے وقت یا کسی ایسے ہی وقت کی یاد میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے روزہ کو ایک نیا مفہوم عطا کیا ہے۔ اسلام نے اسے صرف مشکلات سے مخصوص قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے ایک معین اور مستقل عبادت کی شکل دی ہے۔ اور اس کے لئے ایسے اصول مقرر فرمائے ہیں کہ ان کی پابندی کرنے سے روزہ بہت سے روحانی، جسمانی، اخلاقی اور معاشرتی فوائد کا موجب

ایک خاص دروازہ سے جنت میں لے جائے گا۔ اس دروازہ کا نام الریان یعنی سیرابی رکھا۔ چونکہ وہ خداتعالیٰ کی خاطر بھوک اور پیاس برداشت کرتے رہے ہوں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں خاص طور پر سیراب کرے گا۔

روزہ کی حکمت اور برکات ۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے روزوں کی حکمت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے لعلکم تتقون۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ اور خداتعالیٰ کی حفاظت تمہیں حاصل ہوجائے۔

اتقا کے معنی ہیں ڈھال بنانا یا نجات کا ذریعہ بنانا۔ پس اس آیت کے معنے یہ ہوئے کہ تم پر روزے رکھنا اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ تم خداتعالیٰ کو اپنی ڈھال بنالو۔ اور ہر شر کے نقصان اور ہر خیر کے فقدان سے محفوظ ہوجاؤ۔ نقصان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ کوئی شر انسان کو پہنچ جائے۔ اور دوسرے یہ کہ کسی نیکی سے وہ محروم رہ جائے۔ اتقاء ان دونوں باتوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور متقی وہ ہے جسے ہر قسم کی خیر مل جائے۔ اور ہر قسم کے شر اور ذلت سے وہ محفوظ ہوجائے۔ روزہ چونکہ انسان کو متقی بنا دیتا ہے۔ اس لئے روزہ دار کو خداتعالیٰ کی حفاظت حاصل ہوجاتی ہے۔ وہ ہر شر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور ہر خیر اسے مل جاتی ہے۔

اسلامی روزہ دینی اور دنیوی فوائد کا موجب ہے۔ اس سے انسان کو روحانی ترقی کے علاوہ جسمانی اخلاقی اور معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جسمانی فوائد :-

۱۔ روزہ کی وجہ سے سحری اور شام کے کھانے کے درمیان ایک لمبے وقت تک انسان کچھ کھاتا پیتا نہیں۔ اس لئے اس کے معدہ کو آرام کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس آرام کی وجہ سے معدہ کی قوت کار بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ مضبوط اور تیز ہوجاتا ہے۔ معدہ درست ہونے کی وجہ سے انجام کار عام جسمانی صحت بھی اچھی ہوجاتی ہے۔

۲۔ روزہ سے انسان کی قوت برداشت بھی ترقی کرتی ہے۔ اور جسم مشقت کرنے کا عادی ہوجاتا ہے

دنیا میں عام انسان کے آرام اور راحت کی چار چیزیں ہوتی ہیں۔ بافراغت۔ کھانا۔ پینا۔ سونا اور جنسی تعلقات قائم کرنا۔ ایک روزہ دار آرام و آسائش کی ان چاروں اشیاء میں کمی کر دیتا ہے۔ اس طرح تنعم پسندی اور تن آسانی اس سے دُور ہوتی ہے۔ اور مشقت برداشت کرنے کی عادت اس میں پیدا ہوتی ہے وہ مشکلات میں گھبراتا نہیں بلکہ وہ زندگی کے ہر دور میں مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرکے کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

۳۔ موجودہ زمانہ کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کے جسم میں کچھ زائد مواد جمع ہو جاتے ہیں جن کے نتیجہ میں کمزوری اور بیماری پیدا ہوتی ہے۔ ان زائد مواد کو فنا کرنے کے لئے روزہ بہت ہی مفید چیز ہے۔ کیونکہ بھوک اور پیاس سے یہ مادے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ صحت کی حالت میں جب روزے رکھے جاتے ہیں تو رمضان کے دوران بے شک کچھ کوفت محسوس ہوتی ہے لیکن رمضان کے بعد جسم میں ایک نئی قوت اور تروتازگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ پس روزے صحت جسمانی کے لئے بہت مفید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ڈاکٹر بھی معدہ کو آرام دینے یا روزہ رکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ موٹاپا کی بیماری کے لئے بھی روزہ بڑا کارگر علاج ہے۔

اخلاقی فوائد:۔

روزہ ناجائز باتوں سے بچنے کی عملی تربیت کا ذریعہ ہے۔ اور ممنوع چیزوں سے پرہیز انسان کے اخلاق کو بلند کرتا ہے۔ بہت سی بداخلاقی کی باتیں انسان سے اس لئے سرزد ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن ایک روزہ دار اپنی خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا۔ بلکہ ان کی غلامی سے نکل کر ان کا حاکم بن جاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کو قابو میں لے آئے وہ اخلاق کے بلند مقام تک پہنچ جاتا ہے۔

۲۔ روزہ انسانی جسم کے زائد مواد کو جو اسے کمزور اور سست بنا رہے ہوتے ہیں ختم کر دیتا ہے۔ اور اس طرح سستی اور کاہلی دور ہو جاتی ہے۔ اور انسان چاق و چوبند ہو کر ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور وہ ہر قسم کے حالات میں اپنی بشاشت اور اخلاقی رواداری قائم رکھ سکتا ہے۔

۳۔ رمضان کے روزوں سے استقلال کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ روزے متواتر ایک

مہینہ تک چلتے ہیں۔ انسان دن میں کئی کئی مرتبہ کھانے پینے کا عادی ہوتا ہے۔ مگر رمضان میں تمام کھانے سمٹ سمٹا کر صرف دو رہ جاتے ہیں۔ اس طرح ان ایام میں انسان کو اپنی عادات کی قربانی کرنی پڑتی ہے اور یہ قربانی ایک دو دن نہیں بلکہ لگاتار ایک مہینہ تک بغیر ناغہ کے کرنی پڑتی ہے یوں روزوں سے استقلال کی عادت پڑتی ہے۔ جو انسانی اخلاق کی اصلاح کے لئے بڑی ضروری بات ہے۔

معاشرتی فوائد:-

معاشرتی نقطہ نگاہ سے بھی روزہ کئی فوائد کا موجب بنتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک اہم بات تو یہ ہے کہ اس کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے امراء اور غرباء کے درمیان نفرت کی خلیج کم ہوتی ہے۔ اور بالآخر باہمی محبت والفت استوار ہو جاتی ہے۔ عام طور پر امیروں کو غریبوں کی مشکلات کا پورے طور پر احساس ہی نہیں ہوتا۔ وہ دن میں کئی کئی مرتبہ انواع واقسام کے کھانوں سے بھرپور دسترخوانوں پر بیٹھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں اور ایک لمبے عرصہ تک یہی حالت میسر ہونے کی وجہ سے انہیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ دنیا میں ان کے بہت سے بھائی ایسے بھی ہیں جنہیں دو وقت کی روکھی روٹی بھی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ لوگ جب روزہ رکھ کر خود بھوک سے دوچار ہوتے ہیں تو انہیں غرباء کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور ان کی امداد کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے رمضان میں صدقہ وخیرات بہت زیادہ کرنے کا حکم ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم رمضان کے دنوں میں نہایت تیز چلنے والی آندھی جو کسی روک کو خاطر میں نہیں لاتی کی طرح خیرات کیا کرتے تھے۔

۲۔ قومی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ انسان اپنی چیزوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ بہت سی تباہیاں اسی وقت آتی ہیں جب کسی قوم کے افراد میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ان کی مملوکہ چیزیں صرف انہی کی ہیں۔ دوسروں کا ان میں کوئی حق نہیں جو قومیں اس اصول کو سمجھ کر اپنی اشیاء سے دوسروں کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیتی ہیں۔ وہ تباہی سے بچ جاتی ہیں۔ لیکن اس کے الٹ جن قوموں کے امراء اپنے اموال میں اپنے غریب بھائیوں کا حق تسلیم نہیں کرتے۔ وہاں کمیونزم ظاہر ہو کر ان کی بستر [illegible] ہوجاتے ہیں۔ [illegible]

آزادی کی نعمت بھی ان سے چھین لی جاتی ہے۔ پس روزہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہماری چیزیں صرف ہماری نہیں۔ بلکہ دوسروں کا بھی ان میں حق ہے۔ اور ان سے فائدہ اٹھانے کا انہیں بھی موقعہ ملنا چاہیئے۔ یہی وہ اصول ہے جس سے امراء اور غرباء میں محبت والفت کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ اور دنیا میں آزاد معاشرہ کی بنیاد مستحکم ہوتی ہے۔

روزوں کے ذریعہ سے مومنوں کو اپنے جائز حقوق ترک کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ یعنی کھانا پینا وغیرہ انسان کے جائز حقوق ہیں۔ لیکن روزہ کی وجہ سے وہ ان کو ترک کر دیتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حلال اور جائز حق بوقت ضرورت چھوڑ دینے کی عادت پیدا کئے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حال ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ نے ایک خطبہ جمعہ میں احباب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کبھی بھی ایک دوسرے سے نہ لڑو۔ سلام سے کلام کی ابتدا کرو۔ کسی کا حق نہ مارو۔ غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے اگر اپنے حقوق بھی چھوڑنے پڑیں تو بیشک چھوڑ دو۔" (الفضل ۱۶؍جون ۱۹۸۰ء)

پس امن وامان قائم رکھنے اور فساد سے بچنے کے لئے بعض اوقات اپنے جائز حقوق کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ دنیا میں پائیدار امن کے قیام کے لئے ضروری ہے۔ کہ لوگ اس بات کے لئے تیار ہوں کہ بوقت ضرورت وہ اپنے جائز حقوق کو چھوڑ دیں گے۔ دنیا میں اکثر فساد اس لئے نہیں ہوتے کہ لوگ ناحق اور حرام کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ زیادہ جھگڑے اس لئے ہوتے ہیں کہ لوگ اپنے حق اور حلال کو بوقت ضرورت ومصلحت چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں جو ناجائز طور پر کسی کا حق دبائیں۔ مگر وہ لوگ دنیا میں بہت زیادہ ہیں جو لڑائی جھگڑے اور تنگی وتنافرت کو پسند کر لیں گے۔ لیکن اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

عالمی سطح پر بڑی بڑی جنگوں کی بنیاد بھی اکثر یہی بات ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ ذاتی قربانی کریں تو بہت سے جھگڑے اور فساد مٹ کر خوشگوار امن قائم ہو سکتا ہے۔

روزے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ تم صرف حرام ہی کو ترک نہ کرو بلکہ اگر خدا تعالےٰ کی خاطر

ضرورت پڑے تو حلال یعنی اپنے جائز حق کو بھی چھوڑ دو۔ تاکہ دنیا میں صلح اور امن قائم ہو۔

روزہ کا ایک اہم معاشرتی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے غربا احساس کمتری سے بچ کر عزت نفس کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کا سہارا حاصل کرتے ہیں۔ غریب بیچارے سارا سال تنگی سے گزارہ کرتے ہیں۔ اور بعض دفعہ انہیں فاقے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ رمضان کے روزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں توجہ دلائی ہے۔ کہ وہ ان فاقوں سے بھی ثواب حاصل کرسکتے ہیں، یعنی وہ اپنی تنگیوں پر صبر شکر کرکے خدا تعالیٰ کی رضا کو پالیتے ہیں۔ گویا روزے غرباء کو مایوسی سے بچاتے ہیں اور انہیں امید و بیم کا پیغام دے کر ان کی تسکین کا موجب بنتے ہیں۔ دنیا کی ستر اسی فیصد آبادی غرباء پر مشتمل ہے۔ اتنی بڑی تعداد کی دلجوئی خدا تعالیٰ نے رمضان کے ذریعہ کی ہے کہ یہ خیال نہ کرو کہ فاقہ کش کو خدا کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو روزے رکھنے سے وہ خوش کیوں ہوتا۔ رمضان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا ہے کہ انہی فاقوں سے گزر کر وہ بڑے بڑے فیوض حاصل کرسکتے ہیں۔ پس روزے غرباء کے لئے ڈھارس، تسکین اور عزت نفس کا ذریعہ اور امید کا پیغام ہیں۔

روحانی فوائد:۔

روزہ سے انسان کو تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس طرح وہ بدیوں اور برائیوں سے بچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے لعلکم تتقون کے الفاظ میں روزہ کی یہی غرض واضح فرمائی ہے۔ یہ غرض ایک تو اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ دنیا سے انقطاع کی وجہ سے انسان کی روحانی نظر تیز ہو جاتی ہے اور وہ ان عیوب کو بھی دیکھ لیتا ہے۔ جو پہلے اس سے پوشیدہ تھے۔ اور یوں گناہوں کا علم ہوجانے کی وجہ سے ان سے بچ جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ روزہ صرف اسی وقت صحیح ہوتا ہے۔ جبکہ روزہ دار کلی طور پر برائیوں سے پرہیز کرے۔ ورنہ اس کا روزہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں ٹھہرے گا۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ (بخاری)

یعنی روزہ صرف اس چیز کا نام نہیں کہ انسان سارا دن کچھ کھائے اور نہ پیئے بلکہ روزہ یہ ہے کہ انسان کھانے پینے کے علاوہ ہر اس قول و فعل سے باز رہے جو اس کی روحانیت کے لئے نقصان دہ ہو۔ جھوٹ بولنے اور برے کاموں سے پورے طور اجتناب نہایت ضروری ہے۔

زبان پر قابو رکھنے کا حکم تو ہمیشہ کے لئے ہے، تاہم روزہ دار خصوصیت سے اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے۔ متواتر ایک مہینہ تک یہ عمل بقایا گیارہ مہینوں میں اس کے لئے حفاظت کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔

انسان چار چیزوں کی وجہ سے بدیوں کی طرف جھکتا ہے۔ (۱) کھانا (۲) پینا (۳) جنسی تعلقات (۴) محنت سے بچنے کی خواہش۔ تمام عیوب ان چار منبعوں سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ روزہ ہی ان سب کا علاج ہے۔ اور ان منبعوں کا سدّباب کرتا ہے۔ مثلاً محنت سے بچنے کی خواہش سے انسان خیانت اور چوری کے عیوب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اپنی ضروریات کے لئے محنت وہ کرتا نہیں اور ان کے حصول کے لئے ان بُرے افعال کو آسان ذریعہ سمجھنے لگتا ہے۔ ایک روزہ دار کو سحری کے لئے اُٹھنا پڑتا ہے عبادت کے لئے رات کو جاگنا پڑتا ہے۔ دن کو سارا وقت منہ بند رکھتا ہے، کم کھاتا ہے اور کم سوتا ہے۔ اور متواتر ایک ماہ تک یہ مشقت برداشت کرنے کی وجہ سے اس کی سستی اور کاہلی دُور ہو جاتی ہے۔ اور محنت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح کھانا پینا اور جنسی تعلقات بھی بدیوں کا موجب بن سکتے ہیں۔ انسان اچھے کھانے اور عمدہ مشروب زیادہ مقدار میں چاہتا ہے۔ اس کی جائز آمدنی کے اندر جب یہ ممکن نہیں ہوتا تو وہ ناجائز ذریعے سے مال پر قبضہ جماتا ہے۔ اسی طرح جنسی تعلقات کو پورا کرنے کے لئے حد سے بڑھ کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان سب باتوں کے لئے روزہ ایک کارگر علاج ہے۔ انسان معین وقت کے لئے کھانا پینا ترک کر دیتا ہے اور تعیش کی زندگی سے الگ ہو جاتا ہے۔ پس جن ضروریات کی وجہ سے انسان گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ روزے کی وجہ سے انہیں عارضی طور پر ترک کرنا پڑتا ہے اور اس طرح انسان میں ضبطِ نفس اور قناعت کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بدیوں سے بچ جاتا ہے۔

۲۔ روزہ سے انسان کی کشفی نگاہ میں نور پیدا ہو جاتا ہے۔ اسے رویا و کشوف ہوتے ہیں اور الہام الٰہی اس کے دل پر نازل ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسانی فطرت میں بات پائی جاتی ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے، اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ نیز فرمایا کہ مسلمان صوفیا

نے لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ تنویر قلب کے لئے بہت عمدہ ہے اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں اور انسان خدا کو دیکھ لیتا ہے۔

پس وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کی خاطر اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس کی طرف غلط طور پر نہیں جھکتے اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے اپنا کھانا پینا، سونا اور جنسی تعلقات کم کر دیتے ہیں اور فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا الہام ان پر نازل ہوتا ہے اور رویائے صادقہ اور کشوف صحیحہ کے دروازے ان پر کھولے جاتے ہیں۔

۳۔ روزہ کی وجہ سے انسان کو ایک رنگ میں اللہ تعالےٰ سے مشابہت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کھانے پینے اور سونے سے پاک ہے۔ انسان اپنی بشریت کی وجہ سے ان چیزوں کو کلی طور پر ترک نہیں کر سکتا۔ لیکن روزے کی وجہ سے اسے ان چیزوں میں کمی کرنی پڑتی ہے اور ایک وقت تک وہ انہیں ترک کر دیتا ہے اور اس طرح جزوی طور پر اسے اپنے خالق و مالک سے مشابہت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ انسان اسی چیز کی طرف جھکتا ہے یا پرواز کرتا ہے جس سے اسے مشابہت ہوتی ہے۔

انسان جب یہ باتیں خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو وہ لقائے الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ سے تعلق قائم ہونے اس کی قربت حاصل ہونے اور روحانیت کے مضبوط ہو جانے کی وجہ سے وہ شخص گمراہی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ اس کی دعائیں سنتا ہے اور اپنی رضا کا اظہار اس پر کرتا ہے۔ چنانچہ روزوں کے ذکر میں ہی اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

واذا سألك عبادی عنّی فانی قریبٌ اجیبُ
دعوة الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی
لعلهم یرشدون (البقرة ۱۸۷)

اے رسول جب میرے بندے تجھ سے میرے بارہ میں سوال کریں تو تُو انہیں کہہ دے کہ میں ان کے بہت قریب ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ سو چاہیئے کہ دعا کرنے والے بھی میرے حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا وہ ہدایت پائیں ؛

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مکرم ملک سیف الرحمن صاحب

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع ۱۹۷۹ء کے موقع پر دیا گیا)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۰﴾

(سورۃ الفتح آیت ۳۰)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار کے خلاف بڑا جوش اور سخت رویّہ رکھتے ہیں لیکن آپس میں ایک دوسرے سے بڑی نرمی ملاطفت اور حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں ۔ تو انہیں دیکھے گا کہ جس طرح ان کے دل اپنے رب کے حضور جھکے ہوئے اور حالتِ سجدہ میں ہیں اسی طرح ان کے جسموں کی بھی یہی حالت ہے یعنی وہ سچے دل کے ساتھ شرک سے بیزار اور اپنے خدا کے فرمانبردار ہیں ۔ وہ اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کے ذریعہ ہو سکتی ہے ۔ ان کا تمثیلی ذکر تورات اور انجیل میں بھی ملتا ہے ۔ انجیل کی تمثیل اسی طرح ہے کہ وہ ایک کھیتی کی طرح ہوں گے پہلے اس کی نرم و نازک بالکل کمزور کونپل نکلتی ہے پھر اس کو آسمانی اور زمینی پانی کے ذریعہ علیم و حکیم خدا مضبوط کرتا ہے ۔ اب وہ سخت جان ہو گئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی (کوئی طوفان کوئی جھکڑ اسے گرا نہیں سکتا) اس طرح یہ لہلہاتی کھیتی کسان کو پسند آنے لگی اور وہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگا اس کے دشمن اس سے جلنے

لگے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور ایمان کے مطابق عمل کرنے والوں سے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کو بخشش کے ساتھ اجر عظیم بھی ملے گا۔

ان عظیم آیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے متبعین کے چند بنیادی اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ عظیم قائد اور اس کے پیروکار کسی بڑے سے بڑے دشمن کے رعب میں نہیں آ سکتے۔ حق کے معاملہ میں ان کا رویّہ بڑا بے لچک ہوتا ہے وہ سخت سے سخت مخالفت کے وقت بھی حق پر ڈٹے رہتے ہیں باطل کے سامنے جھکنا جانتے ہی نہیں۔
اس وقت بھی جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ کمزور حالات سے دوچار تھے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بڑے بڑے لالچ بھی دیئے گئے۔ سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی ڈالا گیا۔ عزت پر حملے ہوئے، شدید بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا۔ تین سال تک دانہ پانی بند رہا لیکن کلمۂ حق ہمیشہ زبان پر رہا۔ اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی حمد سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ دنیا بھر کی نعمتوں کا لالچ دیا گیا لیکن فرمایا اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں یعنی اس ساری کائنات کے مالک بننے کی پیشکش کریں تب بھی اِس پیغام کے پہنچانے اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونے سے نہ میں باز رہ سکتا ہوں اور نہ میرے پیچھے ساتھی اس سے رک سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے رب سے جو وعدے کئے ہیں بہرحال پورے ہوں گے۔ غرض کفار کے سامنے یہ عظیم قائد اور اس کے جاں نثار ساتھی نہ کبھی جھکے اور نہ کبھی مداہنت کے بارہ میں سوچا۔ یہ معاندین نرم بھی ہوئے اور جان کے دشمن بھی بنے۔ عداوت اور دشمنی میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن ادھر سے ایک ہی جواب تھا ہم اشداء علی الکفار ہیں معاند کفار کے لئے شدید اور انتہائی سخت جان۔ اپنے پاک اور مطہر مقصد پر قربان ہونے کے لئے ہمیشہ تیار۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے پاک صحابہ کا دوسرا وصف اس آیت کریمہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ یہ لوگ کفار کے مقابلہ میں جتنے سخت ہیں اپنوں کے مقابلہ میں اتنے ہی نرم دل مہربان اور محبت و الفت رکھنے والے ایک دوسرے کے لئے جاں نثار کرنے والے ہیں۔ ایک غریب لیکن نیک طبع صحابی کالے رنگ کے تھے محنت مزدوری سے اپنی

روزی کماتے تھے لہٰذا اس احساس سے غمگین رہتے کہ نہ میری صورت اچھی نہ میرے حالات اچھے بھلا مجھ سے کون محبت کرنے لگا۔ ایک دن وہ غریب مزدور منڈی میں کام کر رہا تھا جسم دھول اور پسینہ سے لت پت تھا کہ پیچھے سے کسی نے آکر آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا کہ بھلا بوجھو تو میں کون ہوں۔ نرم پیارے پیارے ہاتھ وہ سمجھ گیا کہ پیارے آقا کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ موقع کو غنیمت جانا اور اپنی ننگی پیٹھ آنحضورؐ کے کپڑوں سے خوب رگڑی کہ یہ برکت پھر نہ معلوم کب نصیب ہو۔ کچھ دیر بعد حضورؐ سامنے آئے تو اس غریب مزدور نے اپنی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے حسرت کے انداز میں عرض کیا اس کالے کلوٹے سے بھلا کون محبت کرتا ہے آپ نے فرمایا نہیں اللہ کا رسول تم سے محبت کرتا ہے۔

صحابہ کی جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کا ایک وفد صلح کی بات چیت کرنے حضور کے کیمپ میں آیا۔ انہوں نے دیکھا کہ جب حضور وضو فرماتے ہیں تو صحابہ برکت کے لئے وضو کا پانی اچک لیتے ہیں ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں پاتا۔ یہ دیکھ کر وہ حیرت میں ڈوب گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ان لوگوں کو شکست دینا محال ہے۔ محبت کے اس دریا کو بھلا کون پار کر سکتا ہے۔ یہ صحابہ ہی تھے جنہوں نے کہا تھا یا رسول اللہؐ ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے آپ کے بائیں بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک ہماری لاشوں کو روندے بغیر نہیں پہنچ سکتا ہاں یہ وہی صحابہ تھے جنہوں نے اپنے ضرورت مند ساتھیوں کو اپنی جائیدادوں میں شریک کیا اور اپنے ورثہ کا بھائی بنایا اور مواخات کا نمونہ پیش کیا جس کی دنیا نظیر پیش کرنے کے لئے قاصر ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جاں نثاری میں صحابہ کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ بدر کے موقع پر کفار نے جب لشکر اسلام کا جائزہ لینے کے لئے اپنے جاسوس بھیجے تو انہوں نے آکر یہ رپورٹ دی کہ ہم نے اونٹوں کی پیٹھ پر انسان نہیں موتیں سوار دیکھی ہیں۔ غرض اسلام کی ابتدائی تاریخ رحماء بینھم کے ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات پیش کرتی ہے کہ دنیا حیرت زدہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا تیسرا وصف اس آیت عظیم میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس پاک گروہ کی کفار کے مقابلہ میں یہ سخت جانی اور اپنوں کے مقابلہ میں یہ لطف و محبت ایثار و قربانی کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض للہ ہے۔ یہ سب کچھ وہ صرف اور صرف اپنے رب جلیل کی رضا کی خاطر کرتے ہیں اس ساری

جدو جہد میں کسی ذاتی حرص کا دخل نہ تھا۔ فرمایا تراھم رکعًا سجدًا یبتغون فضلًا من اللہ و رضوانا محض اللہ کی خوشنودی اور اس کے فضل کی تلاش اس عظیم اخلاص کی بنیاد ہیں۔ محمد رسول اللہ اور آپ کے جان نثار ساتھیوں کا جو تھا وصف اس آیت کریمہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ اس پاک گروہ کی امثالی تاریخ کی تمثیل بطور پیشگوئی سابقہ کتب سماوی میں بھی رقم ہے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

تورات و انجیل بہت کچھ محرف و مبدل ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی اس حقیقت واقعہ کے کچھ کچھ اشارے مل جاتے ہیں چنانچہ انجیل متی کے باب ۱۳۔ آیت ۳ تا ۹ کے الفاظ یہ ہیں۔

"ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بونے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے اور پرندوں نے آکر انہیں چگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے۔ جہاں ان کو بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اُگ آئے۔ اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سوکھ گئے اور کچھ جھاڑیوں میں گرے اور جھاڑیوں نے ان کو دبا لیا۔ اور کچھ اچھی زمین میں گرے اور پھل لائے۔ کچھ سو گنا۔ کچھ ساٹھ گنا، کچھ تیس گنا۔"

پس یہ حقیقت ہے کہ ہمیشہ کی روحانی زندگی والا یہی عظیم الشان نبی ہے اور جلال اور تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں۔ جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کا انعام پاتے ہیں۔

فاللّٰھم صلّ علی محمدٍ و آل محمدٍ و بارک وسلم انک حمید مجید۔

انصار اللہ مرکزیہ کے نئے قائد اصلاح و ارشاد

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کی منظوری سے صدر محترم مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے مکرم سید کمال یوسف صاحب قائد اصلاح و ارشاد کے بیرون ملک تشریف لے جانے کی وجہ سے میر غلام احمد صاحب نسیم کو دسمبر ۱۹۸۰ء تک قائد اصلاح و ارشاد انصار اللہ مرکزیہ مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ مبارک کرے آمین

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

اخلاقِ حسنہ میں سے ایک عظیم خُلق "صبر"

مکرم سید سجاد احمد صاحب ۲/۲۷ دارالرحمت شرقی ربوہ

اسلام نے اخلاقِ حسنہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور قرآن کریم نے اسلام کے ماننے والوں کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں بہترین راہ نمائی فرمائی ہے۔ احکامات و ارشادات کے ساتھ ساتھ حضرت محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی ذاتِ بابرکات کو بطور نمونہ اور اسوہ پیش کیا ہے۔ جو مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں اور آپؐ کی ساری زندگی ان کی آئینہ دار ہے۔ حدیث کی کتاب الموطا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے:۔

"بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ"۔

مَیں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کی تکمیل کروں۔

اور اسی سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مشہور قول ہے:۔

"كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ كُلَّهُ"۔

آپؐ کا خلق سراسر قرآن کریم تھا۔

یعنی قرآن کریم کی تعلیمات، ارشادات و احکامات کی عملی تفسیر اور چلتا پھرتا نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی۔ قرآن کریم کے کسی بھی ارشاد کے متعلق اگر کوئی اختلاف ہو۔ فہم رسائی نہ کرے یا تفصیل معلوم نہ ہوسکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بہترین راہ نما ہے۔

اخلاقِ حسنہ میں سے ایک عظیم خلق صبر ہے قرآن کریم میں قریباً ۹۰ مقامات پر اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرمایا ہے اور اسے ۱۶ اصناف میں بیان کیا گیا ہے اور احمد بن حنبل

فرماتے ہیں کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف کا نام شکر۔

قرآن کریم کی آیات کریمہ (استعینوا بالصبر والصلوٰۃ (البقرۃ) کے متعلق حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ درس القرآن میں فرماتے ہیں:۔

"یہاں تک میں نے تجربہ کیا ہے دکھوں رنجوں مصیبتوں وغیرہا مسائل کے صاف کرتے ہیں اور پیش آمدہ امور کے متعلق فیصلہ دینے میں اللہ جلشانہٗ نے جو راہ انسان کو دکھائی ہے اس سے بہت کم لوگ کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک راہ کا یہاں ذکر ہے۔ فرماتا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو استقامت کرو تو اللہ سے اور وہ بھی صبر و صلوٰۃ سے۔ صبر سے مراد ہے روزہ اور بدیوں سے بچنا۔ اور صلوٰۃ سے مراد ہے دعا۔ ہر ایک تم میں سے اس بات پر غور کرے کہ لوگ اپنے مقصود کے پورا کرنے کے لئے باریک در باریک فکر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رستہ میں انگلی ادھر ادھر گھماتے جاتے ہیں کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے۔ مگر یہ طریق جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بدیوں سے بچ کر روزہ رکھ کر جناب الٰہی میں خشوع و خضوع سے دعا کریں اس طریق پر انبیاء کے سوا دوسرے لوگ کم چلتے ہیں۔

میں نے مشکل سے مشکل امور میں اس طریق کا تجربہ کیا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ "لم اکن بدعائک رب شقیا"

"اللہ جلشانہٗ محض فضل سے کسی وقت صبر کا حکم دیتا ہے۔ کسی وقت بدلہ لینے کا۔ صبر کے دن مقابلہ کے دن نہیں ہوتے۔ ان اوقات کو انبیاء خوب پہچانتے ہیں یہ انبیاء کے حالات سے ناآشنا لوگوں کی باتیں ہیں کہ جب تک مکہ میں تھوڑے آدمی تھے صبر کا حکم تھا۔ قلت و کثرت مومن کے لئے کچھ بات نہیں۔ انبیاء تو جب اللہ حکم دیتا ہے صبر کرتے ہیں۔ جب مقابلہ کا حکم دیتا ہے۔ مقابلہ۔ وہ نہ ہتھیاروں کی پروا کرتے ہیں نہ آدمیوں کی۔ کیا موسیٰؑ اور نوح علیہم السلام نے تلوار سے کام لیا تھا۔ دیکھا وہ پانی جو مخالف کے غرق کا موجب ہوا۔ آپ کی نجات کا ذریعہ بنا۔ پھر دیکھو یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم میں کثرت کو معجب ٹھہرایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ احمق مقابلہ صرف تلوار کا سمجھتے ہیں جیسی تو جتھے کے

منتظر ہوتے ہیں۔

من یتق و یصبر یہ محسن کی تفصیل فرمائی ہے۔ حضرت یوسفؑ نے یہ قاعدہ کلیہ بتا دیا ہے۔ صبر دو قسم کا ہے ایک صبر عن المغضب یعنی انسان غضب۔ طمع وحرص سے اپنے آپ کو روکے۔ دوسرے صبر علی الصلوٰۃ یعنی جو نیکی کرتا ہے اس پر دوام اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں پر مضبوط رہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ایمان اللہ پر، ملائکہ پہ، انبیاء پر، کتب پہ، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مسکین و یتیم و اقارب کی خبر گیری کرے۔ رنج و راحت، عسر و یسر میں صابر رہے۔"

صبر۔ مصائب کو برداشت کرنے، غصہ پی جانے۔ حملہ نہ کرنے۔ خاکساری دکھانے۔ باوجود تکلیف اور دکھ دیئے جانے کے گھبراہٹ کا اظہار نہ کرنے۔ بلکہ بہادری اور حوصلہ سے برداشت کرنے اور کسی قسم کا شکوہ یا شکایت نہ کرنے کو کہتے ہیں۔ صبر عن الشئی کے معنی ہیں کسی کام سے رک جانا اور صبر علی الامر سے مراد ہے۔ حوصلہ، ہمت۔ اور بہادری کے ساتھ برداشت کرنا۔

کسی جماعت، انسان یا افراد میں کسی خلق کی موجودگی یا عدم موجودگی کا علم اور اس کی قوت و مضبوطی یا ضعف و کمزوری کا اندازہ عام حالات میں نہیں ہو سکتا۔ غیر معمولی حالات۔ مخالفانہ روش۔ شدائد اور مصائب اور خلافِ طبیعت امور میں صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ کسی انسان افراد یا جماعت میں وہ خلق کس حد تک پایا جاتا ہے۔ راسخ ہے یا کمزور۔

یہی حال صبر کا ہے۔ اس خلق کا اندازہ ایسے حالات میں ہو سکتا ہے۔ جب چاروں طرف سے مصائب و شدائد کی بھرمار ہو۔ ابتلاء، مصیبت۔ ایذا دہی اور ہر قسم کی تکلیفوں کا سامنا ہو ایسے حالات میں پامردی اور خاموشی سے اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (بقرہ ع ۱۹) کا مظاہرہ دفع آفات و بلیات اور حلِّ مشکلات و مصائب کا تیر بہدف نسخہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک اور پاک بندوں، اس کے فرستادوں اور اعلائے کلمۃ اللہ بلند کرنے والوں کے ساتھ ہر دور میں ہر طور کے ظلم و ستم روا رکھے گئے۔ تاریخ عالم شاہد ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مبعوث ہونے والے انبیاء علیہم السلام کا جہاں بھی تذکرہ فرمایا ہے اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ انہیں بڑی بڑی تکلیفیں دی گئیں اور ان پر طرح طرح کے مظالم کئے گئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان پہ ذلت و رسوائی بدنامی کے بڑے صعب ناک دور

آئے۔ لیکن صبر و استقامت اُن کا شیوہ رہا۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک یہ سلسلہ جاری ہے حضرت نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسےٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور دیگر انبیاء عظام علیہم السلام کے ادوار کو نظروں کے سامنے لایئے آپ دیکھیں گے ہر دور میں یہ مبارک وجود صبر و ضبط۔ پامردی و استقلال اور ہمت و حوصلہ سے اپنے موقف پر قائم رہے اور اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:۔

" فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل " (احقاف)

پس تو بھی (اے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح صبر و ضبط سے کام لے جس طرح پہلے پختہ عزم و ارادہ والے رسولوں نے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی تیرہ سالہ زندگی مصائب و شدائد اور ظلم و تعدی کی ایک کپکپی دینے والی داستان در داستان ہے۔ دنیا کے محسن اعظم، انسانیت کے سرخیل اور وجہ تخلیق کائنات سرور دو جہاں صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے ماننے والوں پر اتنے مظالم کیئے گئے کہ الفاظ ان کا ساتھ نہیں دے سکتے ظلم و تعدی۔ عناد و تعصب، تمسخر و استہزاء، سوشل بائیکاٹ حتیّٰ کہ ارادہ قتل تک، جو کچھ بھی اہل مکہ سے ہو سکا انھوں نے کیا۔ لیکن جواب میں انھوں نے صبر و ضبط، عزم و حوصلہ۔ ایک دائمی مسکراہٹ اور خندہ پیشانی کا عدیم المثال، حسین و جمیل نظارہ دیکھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رض نے ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا: " کیا جنگ احد سے بھی زیادہ آپ کو کبھی تکلیف پہنچی ؟ "

آپؐ نے فرمایا۔ " عائشہ ! تیری قوم نے مجھے بڑی بڑی تکلیفوں میں ڈالا۔ ان میں سے ایک وہ ایذا رسانی تھی جو طائف کے تبلیغی سفر میں مجھے پہنچائی گئی۔ حتیٰ کہ فرشتہ نے مجھے کہا کہ اگر آپؐ حکم دیں تو مَیں پہاڑوں کو اس بستی پر اُلٹا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں نہیں۔ مجھے امید ہے اللہ تعالےٰ انہی لوگوں میں سے وہ لوگ پیدا کردے گا۔ جو خدائے واحد کی پرستش کریں گے۔ "

جنگ اُحد میں بدبخت دشمنوں نے پیارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی کو زخمی کر دیا۔ اگر اللہ تعالےٰ کی خاص حفاظت نہ ہوتی تو وہ بدبخت تو آپ کو قتل ہی کر ڈالتے۔ آپؐ کے چہرۂ مبارک سے

خون جاری تھا۔ دستِ مبارک سے خون صاف کرتے جاتے اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے ہائے افسوس ان لوگوں پر۔ یہ لوگ کسی طرح بامراد ہوں گے۔ کس طرح خدا تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں گے کہ انھوں نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ جس کا صرف یہ قصور ہے کہ وہ ان لوگوں کو اپنے رب کی نعمتوں اور برکتوں سے حصہ لینے کی دعوت دیتا ہے۔ اس قدر تکلیف اور زخمی ہونے کی حالت میں اس سراپا شفقت و رحمت و احسان وجود باجود صبر و ضبط کے کوہ وقار اور عزم و ہمت و حوصلہ کے بلند ترین معیار نے اگر کوئی کلمات اپنی زبانِ مبارک سے نکالے بھی تو وہ دعائیہ فقرات تھے:-

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

خدایا میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا کہ یہ نادان۔ نافہم اور ناسمجھ ہیں اور انہیں یہ علم نہیں ہے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔

شعب ابی طالب کا محاصرہ اور مکمل سوشل بائیکاٹ مکہ والوں کی داستان ظلم کا ایک دردناک واقعہ ہے۔ سنہ نبوی کے محرم میں قریش مکہ اور ان کے بڑوں نے مل کر ایک معاہدہ تیار کیا اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اس معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کو ایک جگہ محصور کر کے مکمل بائیکاٹ کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ مکہ کے نزدیک ایک گھاٹی شعب ابی طالب میں تمام مسلمانوں کو اکٹھا کر کے محصور کر دیا گیا اور کھانے پینے کی ہر قسم کی اشیاء کی سپلائی بند کر دی۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ ان ایام میں ہم جنگلی درختوں کے پتے کھا کر گذارہ کرتے۔ بعض اوقات سوکھے چمڑے کو بھگو کر بھون کر کھاتے۔ بھوک و پیاس کی شدت کی تاب نہ لا کر بچے روتے چلاتے بلکتے تو قریش مکہ خوش ہوتے۔ یہ محاصرہ اڑھائی تین سال تک جاری رہا۔ لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی اور صبر و ضبط اور ہمت و حوصلہ سے انھوں نے یہ ایام کرب و بلا گزارے اور اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ ارشاد مومنوں کی ایک اہم بابت ان صفت "الصّابرین فی البأساء والضّرّاء (البقرہ) پر پورے اترے۔

محاصرہ اور مقاطعہ کے نتیجہ میں آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام بہت کمزور اور لاغر ہو گئے آپ کے چچا حضرت ابو طالب کمزوری کی تاب نہ لاتے ہوئے جلد ہی وفات پا گئے اور ان کے بعد آپؐ کی سب سے پہلی رفیقہ حیات آپ کی پیاری اور وفادار بیوی۔ مومنوں کی ماں حضرت ام فاطمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئیں۔ اور یہ دونوں صدمے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے لئے بڑے سخت تھے لیکن۔ قرآن کریم ارشاد تو یہ ہے کہ:-

"ولبشر الصابرین الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا
للّٰه وانا الیه راجعون ۝ اولٰئک علیهم صلوٰت من ربهم
واولٰئک هم المهتدون ۝ (البقرہ ۱۹)

اور بشارت ہے ان صبر کرنے والوں کے لئے کہ جب ان پر کوئی دکھ۔ تکلیف اور مصیبت آتی ہے تو وہ بجائے جزع فزع کرنے۔ رونے پیٹنے اور گھبرانے کے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔ پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ دراصل ہدایت یافتہ اور سیدھے راستہ پر ہیں۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آڑے وقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معین و مددگار سمجھا اور اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کر دیا کہ:-

"اولٰئک الذین صدقوا و اولٰئک هم المتقون"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کی ابتدائی زندگی کی تکالیف کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ مکہ والے آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے آپ کو بڑے سے بڑا لالچ دیا۔ بڑی سے بڑی تخویف سے کام لیا۔ ہر طرح بے عزتی کی۔ آپ کے سر پر خاک ڈالی۔ سجدہ کی حالت میں عین خانہ کعبہ میں آپؐ کی لپشتِ مبارک پر خون اور آلائش سے لت پت اونٹنی کا بچہ دان رکھ دیا۔ آپؐ کے صحابہؓ کو گرم ریت پر لٹایا گیا۔ جسم کو داغا گیا۔ معصوم خواتین تک پر ظلم کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے معزز و مکرم شہری کو خانہ کعبہ میں مار مار کر بے ہوش کر دیا گیا۔ حضرت بلالؓ کا مالک امیہ بن خلف انہیں کوڑے سے پیٹتا اور کہتا اسلام سے توبہ کرو۔ ادھر بلالؓ کی کمر پر کوڑا پڑتا اور تڑاخ کی آواز آتی۔ ادھر بلالؓ کا فلک شگاف نعرہ گونجتا "اَحَدٌ اَحَدٌ" خدا ایک ہے۔ خدا ایک ہے۔ دوپہر کے وقت عرب کی جلتی ہوئی ریت پر حضرت بلالؓ کو لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ شہد پیا کربلا کی گرمی میں انہیں کھڑا رکھا جاتا۔ پیاس کے مارے زبان باہر آنے لگتی لیکن بلالؓ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آ سکتی تھی نہ آئی۔

ایک اور صحابیؓ حضرت خباب بن الارتؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر پیٹھ کے بل لٹا دیا جاتا اور کہا جاتا اسلام سے انکار کرو!

حضرت عمارؓ کی والدہ اور حضرت یاسرؓ کی بیوی کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر ابو جہل نے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت یاسرؓ کو ظالم دشمن بری طرح زدو کوب کر رہے ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرتے تو فرماتے :-

"آلِ یاسرؓ صبر کرو میں تم سے جنت کا وعدہ کرتا ہوں"

حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک بار اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ چہرہ پر نیل پڑ گئے۔

حضرت خباب بن الارتؓ لوہار تھے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے انہیں آگ پر لٹایا جاتا۔ ایک دن خبابؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جبکہ آپ خانہ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ اس ظلم و ستم کا ذکر کر کے عرض کیا۔ حضور آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد کیوں طلب نہیں کرتے حضور اس وقت لیٹے ہوئے تھے یہ سن کر آپ بیٹھ گئے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا :-

"اے لوگو! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو۔ خدا کی قسم تم سے پہلے لوگوں کے سروں پر آرے رکھ کر انھیں چیرا گیا۔ لوہے کے دندانوں والی کنگھیوں سے ان کے جسم نوچے گئے لیکن وہ اپنے دین پر قائم رہے۔"

پھر فرمایا :-

"خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کرے گا اور اپنی رضا کو پورا کر کے رہے گا۔"

(بخاری ص)

اہلِ مکہ کے ناقابلِ بیان مظالم و شدائد سے تنگ آکر مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے تو وہاں بھی دشمن نے پیچھا نہ چھوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رؤسائے مکہ کے رویّہ سے دل برداشتہ اور اپنے شفیق چچا اور اپنی مونس و غمگسار رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ کی وفات کے غم سے نڈھال ہونے کے باوجود حق و صداقت کا پیغام پہنچانے میں لگے رہے اور مکہ کے بعد دوسری بڑی بستی طائف کا عزم کیا۔ یہ شوال ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ وہاں دس دن آپ نے قیام فرمایا اور رؤسائے شہر کو اسلام کا پیغام پہنچایا۔ لیکن وہ لوگ بھی تمسخر و استہزاء اور اباء و انکار ہی کرتے رہے۔ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے ایک بہت بڑے رئیس عبدیا لیل کے پاس پیغامِ حق پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس نے بھی یہی سلوک کیا۔ بلکہ واپسی پر چند اوباش اور آوارہ لڑکے آپ کے پیچھے لگا دیئے۔ جو طائف سے مکہ کی جانب تین میل تک آپ پر پتھراؤ کرتے اور بُرا بھلا کہتے رہے۔ آپ لہولہان ہو گئے جسم سے اتنا خون بہا کہ

جوتیاں بھر گئیں۔ لیکن اس حالت میں بھی صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ تھکے ماندے زخم خوردہ مضمحل اور نڈھال پیارے آقا خون میں لت پت عتبہ کے باغ میں ایک انگور کی بیل کے سایہ تلے سستانے بیٹھ گئے۔ عتبہ کا غلام عداس ایک طشت میں انگور لایا۔ آپ نے اسے بھی کلام حق پہنچایا۔ یہ کس قدر اعلیٰ صبر و ضبط کا مظاہرہ ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے اس صبر و ضبط، استقامت، توکل علی اللہ اور قوت قدسیہ کا نتیجہ تھا کہ مکہ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہو گئی۔ سنہ ۱۳ نبوی میں مدینہ کے نو مسلموں نے حضور کو مدینہ آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی۔ پہلے آہستہ آہستہ بعض صحابہ نے ہجرت کی۔ بعد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی تلواروں کے درمیان سے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بحفاظت تمام مدینہ پہنچے۔ یہاں بھی دعوت الی الحق کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مشکلات و مصائب آئیں لیکن آپ نے اور آپ کے صحابہ نے صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ بئر معونہ میں اصحاب الصفہ کے ۷۰ صحابہ شہید کر دیئے گئے۔ لیکن سلسلہ رشد و ہدایت جاری رہا۔

حضرت ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔ ان کے والد نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور انھیں قید کر دیا۔ بیڑیاں پہنا دیں اور یہ قید و بند کا سلسلہ کئی برس تک رہا۔ اسی دوران انھیں جسمانی اذیت بھی پہنچائی جاتی۔ جس سے جسم پر نشان پڑ جاتے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے شرائط طے کرنے کے لئے ان کا والد سہیل دربار رسالت میں آیا۔ ابھی شرطیں طے کی جا رہی تھیں اور اسی شرط پر بحث جاری تھی کہ قریش کا جو شخص مسلمان ہو کر آئیگا۔ اسے قریش کے پاس واپس لوٹا دیا جائے گا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ پا بجولاں کسی طرح کفار کی نظروں سے بچتے بچاتے اس جگہ آ پہنچے۔ انھیں دیکھتے ہی ان کے والد سہیل نے کہا کہ ابو جندل کو واپس کر دیا جائے۔ ورنہ صلح کی شرائط طے نہ ہو سکیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاہدات کا بہت خیال رکھتے تھے۔ آپ نے ابو جندل کو واپس جانے کا حکم دیا۔ ابو جندل نے اپنی مشکلات و مصائب اور قید و بند کی تکالیف کا نہایت دردناک الفاظ میں ذکر کیا۔ جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل تڑپ اٹھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا ایک بھائی تختۂ مشق ستم بنا رہے اور وہ کسی حالت میں بھی انھیں واپس بھیجنا پسند نہ کرتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کسی کو دم مارنے کا یارا نہ تھا اس لئے خاموش رہے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی اس دردناک اپیل پر بھی حضور نے یہی ارشاد فرمایا کہ "صبر سے کام لو اور واپس چلے جاؤ!"

(باقی دیکھیں صلا۳ پر)

حاصلِ مطالعہ

معرفت کی باتیں

از مکرم حافظ قُدرت اللہ صاحب لندن

تصوف کا مرکزی نقطہ خُدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی معرفت کا حصول ہے۔ جہاں تک صوفیاء کے خیالات کا تعلق ہے اُن کے فلسفیانہ انداز فکر میں ایک اتھاہ گہرائی ضرور ہے۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے طرزِ عمل اور اپنے کردار میں اسلام کی میانہ روی کی تعلیم سے کچھ زیادہ ہی دُور نکل گئے۔ تاہم اُن کا انداز فکر بعض جہات سے سبق آموز اور بیدار کرنے والا ضرور ہے۔

اہل تصوف کی اصطلاح میں اُن کے خاص طریق پر روحانی سفر کرنے والوں کو ان کی کیفیت اور حالت کے لحاظ سے مختلف ناموں سے مثلاً طالب، مُرید اور سالک وغیرہ اصطلاحوں سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے بعد اس کا روحانی سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اس سفر کی پہلی منزل ناسُوت (انسانیت) کی ہے۔ پھر ملکوت کا درجہ ہے۔ اس کے بعد جبروت کا مقام ہے۔ ان مقامات کو سَر کرتے ہوئے وہ روحانیت کی دوسری بلندیوں کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح صوفیاء کے نزدیک ایک سالک کے لئے عبودیت، عشق، زُہد، وجد، حقیقت اور وصل وغیرہ کی منازل بھی ہیں جنہیں سَر کرتے ہوئے بالآخر انسان خُدا تعالےٰ کی محبت میں جذب ہو کر اس کی لافانیت اور لامتناہیت میں گم ہو جاتا ہے۔

صوفیا کے انداز فکر میں فنا کے مقام کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

اسی حقیقت کے پیش نظر اہل تصوّف سالک کی پہلی منزل کو فنا سے شروع کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں اُسے بقا ملتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد لِقا حاصل ہوتی ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ جب منصور حلاّج کو صلیب دینے کے لئے لے چلے۔ تو حضرت شبلیؒ نے اُن سے پُوچھا۔ کہ اے منصُور تصوّف کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر فرمایا۔ کہ کم ترین درجہ تصوّف کا تو یہی ہے۔ جو تو سامنے دیکھ رہا ہے۔ "(یعنی صلیب)

صوفیاء کے اقوال میں سے ہے۔ کہ عارف وہ ہے جو تمام موجودات کو مقام فنائیت میں دیکھے۔ اور فقر وہ ہے جو

ماسوی اللہ سے مُنہ پھیر کر صرف اللہ رب العزّۃ کی طرف اپنی ساری کی ساری توجہ کو منعطف کر دے۔

ایک بزرگ کا قول ہے۔ کہ مَیں نے جب سے "اللہ" کہا ہے۔ تب سے مَیں نے دنیا کی طرف توجہ نہیں کی۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔ کہ بھیڑ بکریاں انسان سے بہتر ہیں اور زیادہ قدر کے لائق ہیں جو مالک کی آواز سن کر ممنوعہ کھیتی سے باز رہتی ہیں۔ مگر افسوس ہے انسان پر جو اپنے مالک (اور محسن خُدا) کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں۔ کہ جب منصور حلّاج کو دار پر چڑھایا گیا۔ تو مَیں نے عالم کشف میں دیکھا۔ کہ ابلیس آپ کے سامنے آیا۔ اور اس نے سوال کیا۔ کہ اے شیخ! آپ نے انا الحق کہا۔ اور آپ پر رحمت ہوئی۔ اور خدا کی درگاہ میں مقبول ہوئے۔ اور مَیں نے انا خیرٌ کہا اور مجھے دھتکارا گیا۔ اور مجھ پر خُدا کی لعنت ہوگئی۔ اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا۔ کہ تو نے انا خودی اور تکبر سے کہا۔ اور مَیں نے انا خودی سے دُور ہو کر بے خودی سے کہا۔ یہی بات ہے۔ کہ تجھ پر لعنت ہوئی۔ اور مجھ پر رحمت!

☆ فنا کا مقام صوفیاء کے نزدیک یہ ہے۔ کہ اپنے محبُوب کے ساتھ انسان بالکل یک جان ہو جائے اور دو وجودوں میں کوئی دُوئی باقی نہ رہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح لوہا آگ میں پڑھ کر آگ کی طرح ہو جاتا ہے اور امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی۔ من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں۔ من دیگرم تو دیگری

☆ کہتے ہیں۔ ایک دن حضرت حسن بصری اپنے وظیفہ اور ذکر میں مصروف تھے۔ کہ ایک عورت غصّہ اور بیقراری کی حالت میں آئی اور اپنے خاوند کی بے توجہی کی شکایت کرنے لگی۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ صبر دو طرح پر ہے۔ ایک بلا اور مصیبت پر۔ اور دوسرے ان چیزوں پر جن سے خُدا تعالےٰ نے منع فرمایا ہے۔ فرمایا

جس نے قناعت کی۔ وہ مخلوق سے بے نیاز ہوا۔
جس نے گوشۂ تنہائی اختیار کی۔ اس نے سلامتی پائی۔
جس نے نفسانی خواہشات کو دبایا۔ وہ آزاد ہوا۔
جس نے حسد ترک کیا۔ وہ مقبول ہوا۔
جس نے صبر کیا۔ اس کو میٹھا پھل ملا۔
جس نے دنیا سے دل ہٹایا۔ اس نے اطمینان پایا۔

☆ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ریاء کی تین علامتیں ہیں:۔
جب اکیلا ہو تو سُست ہو، مجمع میں ہو تو چُست نظر آئے۔ اور جب تعریف کی جائے تو پھولا نہ سمائے۔

* حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں ۔ کہ خداتعالیٰ اخلاص بھری نیت کے نتیجہ میں اتنا دیتا ہے ۔ کہ بعض دفعہ عمل پر بھی اتنا نہیں دیتا (کیونکہ خلوص بھری نیت میں ریاء کو دخل نہیں) ۔

* رسُولِ اکرمؐ فرماتے ہیں :۔ جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبّر اور غرور ہوگا ۔ وہ جنّت کی نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔

* حضرت سلمانؓ ...... فرماتے ہیں :۔ کبر و غرور ایسی بدی ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کی کوئی نیکی اس کے کام نہیں آتی ۔

* حضرت مطرّف بن عبد اللہؓ نے مُہلّب کو دیکھا ۔ کہ ریشمی جبہ پہنے اِترا تا ہے ۔ فرمایا :۔

اے بندۂ خُدا ! اللہ اور اُس کا رسُول تیری اس چال کو بُرا مناتے ہیں ۔ تب مُہلّب نے جواب دیا ۔ کہ تم مجھے جانتے ہو ۔ مَیں کون ہُوں ؟ فرمایا ۔ ہاں مَیں جانتا ہوں ۔ تم کون ہو ! تم ابتداء میں ایک بدبُودار نطفہ تھے ۔ اور آخر کو ایک ناپاک مردار ہو جاؤ گے ۔ اور اب تمہاری حالت یہ ہے کہ تم غلاظت اور ناپاکی کو اپنے پیٹ میں لئے پھرتے ہو ۔ اے مہلّب ! یہ تیری پہچان ہے ۔ مہلّب یہ بات سُن کر چلّا اٹھا اور وہ چال چھوڑ دی !

شانِ کبریائی خداتعالیٰ کی صفت خصوصی ہے ۔ اگر ایک عاجز اور کمزور بندہ خود کو اس صفت سے متصف خیال کرے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غلام بے ادبی اور گستاخی کرتے ہوئے ناسمجھی سے اپنے آقا کا تاج پہن کر اس کے تخت پر بیٹھ جائے ۔ کیا اس کا آقا اس کے اس فعل سے خوش ہوگا ؟

* حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی نے کہا ۔ کہ آپ نیا کپڑا کیوں نہیں پہنتے ۔ فرمایا ۔ اس زندگی میں تو مَیں غلام ہوں ۔ جس دن آزاد ہوں گا ۔ اس روز نیا کپڑا پہنوں گا ۔

* رسُول اللہؐ نے فرمایا :۔

"اکرام تقویٰ میں ہے ۔ بزرگی تواضع میں ہے اور تونگری یقین میں ہے ۔

* حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں :۔

"جس کو مال ۔ جمال یا علم عطا ہوا اور وہ تواضع اور خاکساری سے کام نہ لے تو وہ ڈرے ۔ کہ یہ چیزیں قیامت کے روز اس پر وبال نہ ہو جائیں "

* حضرت زیاد نمیریؒ فرماتے ہیں :۔

" جو زاہد خاکسار نہیں ہے وہ بے پھل کا درخت ہے ۔ جس ایمان کے ساتھ عمل نہیں ۔ وہ مُردہ ہے "

* حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں :۔

" دو چیزیں آدمی کو ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں ۔ ایک خودپسندی ۔ دوسرے ناامیدی ! ناامید آدمی اپنے مقصود کی طلب میں سستی اور کاہلی کر کے اپنے مقصود سے محروم رہتا ہے ۔ اور خودپسند آدمی اپنے

آپ کو طلب اور تکمیل سے بے نیاز سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ بھی اپنے مقصد سے محروم رہتا ہے۔"

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:۔

"بندے اور خدا کے درمیان چار دریا ہیں۔ جنہیں عبور کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اوّل:۔ "دنیا" جسے پار کرنے کے لئے زہد کی کشتی کی ضرورت ہے۔

دوسرے:۔ "دنیا کے لوگ" جس کی کشتی لوگوں سے کنارہ کشی ہے۔

تیسرے:۔ ابلیس۔ جس کی کشتی ایمان باللہ ہے۔ اور

چوتھے:۔ نفسانی خواہشات۔ جس کی کشتی بے نفسی اور نفس کشی ہے۔

حضرت جنیدؒ اپنی محویت کا بیان فرماتے ہیں۔ کہ نماز میں اگر مجھے دنیا کا خیال آتا ہے تو اُسے میں دوبارہ پڑھتا ہوں۔ اور اگر جنت و دوزخ کا خیال آتا ہے (محبوب کے تصور کے علاوہ) تو سجدہ سہو کرتا ہوں۔

کہتے ہیں۔ حضرت شبلیؒ کے پاس ایک روز ایک جماعت آئی۔ آپ اس وقت قید خانہ میں تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا۔ کہ ہم آپ کے دوستوں کے گروہ میں سے ہیں اور آپ سے عقیدت اور محبت رکھتے ہیں۔ تب آپ نے ایک پتھر اٹھایا۔ اور ان کی طرف پھینکنے لگے۔ آپ کا یہ رنگ دیکھ کر وہ لوگ بھاگنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ظاہر دارو! میری دوستی اور محبت کا دعویٰ تو کرتے ہو۔ مگر میری بلا پہ صبر نہیں کر سکتے۔ اگر اپنی محبت کے دعویٰ میں سچے ہوتے۔ تو کبھی نہ بھاگتے۔

حضرت شبلیؒ عید کے روز ایک دفعہ سیاہ لباس پہن کر باہر نکلے۔ لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا۔ کہ یا حضرت! یہ کیا! عید کے روز سیاہ لباس! فرمایا کہ مخلوق کی بدقسمتی پر دل غمگین ہے کہ وہ اپنے خالق حقیقی سے غافل ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی مصیبت ہوگی۔ آج عید کے روز اس مصیبت کا احساس کچھ سوا ہے۔

حضرت فضیلؒ کو برسوں سے کسی نے ہنستے نہ دیکھا تھا۔ ایک روز جب آپ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو آپ خوش نظر آئے اور مسکرا رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہ اے حضرت یہ کونسا موقعہ خوشی کا ہے۔ فرمایا کہ میرا محبوب میرے لڑکے کی موت سے راضی ہو تو پھر عاشق کو اپنے معشوق کی مرضی کے پورا ہونے پر خوش ہی تو ہونا چاہیئے۔ ورنہ عاشقی کیا! اور اس کا عشق کیا؟

حضرت ادہمؒ بلخ کے بادشاہ تھے۔ آپ ایک رات شاہی محل میں نہایت آرام اور مزے کی نیند سو رہے تھے کہ کچھ آہٹ ہوئی۔ پوچھا کون ہے؟ آواز آئی۔ کہ میرا اُونٹ کھو گیا ہے اُسے تلاش کر رہا ہوں۔ فرمایا۔ اُونٹ کا محل میں کیا کام؟ آواز آئی۔ کہ آپ کو یہاں اُونٹ کی تلاش کرنے سے تعجب کیوں ہوا۔ تعجب تو یہ ہے کہ آپ کو خدا کی تلاش کے لئے یہ زندگی ملی ہے اور آپ اُسے محلات کی عیش و آرام کی زندگی کی نذر کر رہے ہیں۔"!!

اس واقعہ سے آپ کے دل میں محبت الٰہی اور خدا کی تلاش کے لئے ایک حرارت پیدا ہوئی اور آپ بیقرار سے رہنے لگے۔

چند روز بعد جبکہ دربار شاہی لگا ہوا تھا۔ اور شاہی جلال اپنے جوبن پر تھا کہ یکایک ایک وجیہہ اور بارُعب انسان شاہی دروازے سے دربار میں داخل ہوا۔ اور تخت شاہی کے قریب آگیا۔ آپ نے اس باوقار اجنبی سے پوچھا۔ کس لئے یہاں آنا ہوا۔ اجنبی نے جواب دیا۔ کہ میں سرائے کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ سرائے نہیں شاہی محل ہے۔ اس پر اجنبی نے حضرت ادھمؒ سے پوچھا۔ کہ آپ سے پہلے یہ محل کس کے پاس تھا۔ فرمایا۔ میرے باپ کے پاس۔ اجنبی نے پھر سوال کیا۔ کہ اس کے پہلے یہ محل کس کے پاس تھا۔ فرمایا۔ میرے دادا کے پاس۔ غرض اسی طرح سوال وجواب کے نتیجہ میں آپ نے اُس سے قبل کے چند افراد کے نام لئے۔ جس پر اس اجنبی مرد نے کہا۔ کہ اچھا آپ ہی بتائیے۔ کہ جب اس محل میں رہنے والوں کا اور آنے جانے والوں کا یہ حال ہے۔ تو یہ آپ کا محل مسافر خانہ نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ ایک آتا ہے اور ایک جاتا ہے یہ کہکر وہ اجنبی باہر چلا گیا اور گم ہوگیا۔

اس گفتگو سے دربار میں سناٹا سا چھا گیا کہ یہ اجنبی مسافر کہاں سے آیا تھا اور پھر کہاں غائب ہوگیا؟ مگر اس واقعہ کا جو اثر حضرت ادھمؒ پر ہوا اُس نے آپ کی زندگی ہی بدل ڈالی۔ آپ نے اس واقعہ کے بعد بادشاہت ترک کر دی اور ساری زندگی عشق الٰہی میں گزار دی۔

حضرت ادھمؒ سے ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا۔ جب سے آپ نے عشق الٰہی کی یہ راہ اختیار کی ہے کوئی خوشی بھی آپ نے پائی؟ اس استفسار پر آپ نے اپنے خوشی اور محبت اور کیف و وجد کے متعدد واقعات بیان فرمائے فرمایا:-

ایک دفعہ میں اپنے وجد اور کیف کی حالت میں ایک مسجد میں جانکلا کہ وہاں جاکر سستا لوں اور کچھ آرام کرلوں ظاہر بین لوگوں نے جب میری بے خودی کی حالت کو دیکھا۔ تو مجھے مسجد میں ٹھہرنے نہ دیا۔ اس وقت میں ایسا تھکا ہوا تھا کہ کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ لوگوں نے میرا پاؤں پکڑ کر کھینچنا شروع کردیا اور مسجد کے زینہ تک لاکر مجھے دھکا دیدیا میں لڑھکتا لڑھکتا اور ایک کے بعد دوسری سیڑھی سے ٹکراتا نیچے آگیا۔ مگر خدا کی شان کہ اس وقت ہر سیڑھی سے ٹکراؤ کے ساتھ محبت الٰہی اور کیف و وجد کا ایک نیا راز جلوہ گر ہوتا نظر آیا۔ اسی وقت میں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ کیا ہی اچھا ہوتا۔ کہ سیڑھیاں اور زیادہ ہوتیں اور میں ان کیف آور نظاروں سے اور محبت کے ان سربستہ رازوں سے اور بھی زیادہ لطف اندوز ہوسکتا۔

حضرت ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت جبرئیلؑ کو خواب میں دیکھا۔ کہ اُن کی بغل میں ایک کتاب ہے۔

مَیں نے پوچھا۔ کہ یہ کیسی کتاب ہے؟ فرمایا۔ اس میں خُدائے پاک کے عاشقوں کے نام لکھے جائیں گے۔ مَیں نے کہا کہ آپ میرا نام بھی لکھیں گے؟ فرمایا۔ کیا تمہیں خُدا کے عاشق ہونے کا دعویٰ ہے؟ اس پر مَیں نے یہ خیال کرکے کہ خُدا کے عاشق ہونے کا دعویٰ تو بہت عظیم اور بڑی بات ہے اور بہت بڑا دعویٰ ہے۔ مَیں نے اس وقت صرف یہ کہا۔ کہ مَیں کم از کم خُدا کے عشاق کے دوستوں میں سے تو ضرور ہوں۔ اس پر حضرت جبریلؑ نے کچھ توقف فرمایا۔ اس دَوران غیب سے آواز آئی۔ کہ ان کا نام بھی اس فہرست میں درج کرلیا جائے۔

حضرت ابن حنبل کے بارہ میں ایک روایت ہے کہ انہیں ایک عارف سے بہت اُلفت تھی اور اکثر ان کی صُحبت سے فیضیاب ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ اُن کے شاگردوں نے ایک دن اُن سے کہا۔ کہ اے حضرت! خُدا تعالیٰ نے آپ کو بہت علم دیا ہے آپ محدث ہیں۔ مجتہد ہیں۔ اس دیوانے کی صحبت اور اس سے فیضیاب ہونے کی خواہش آپ کو زیب نہیں دیتی۔ انہوں نے فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو۔ خُدا تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے بہت علم دیا ہے مگر خُدائے پاک کی معرفت اس دیوانے کو مجھ سے زیادہ ہے اس لئے میرے دل میں اس دیوانے کے لئے قدر کے جذبات ہیں۔

ایک روز حضرت شبلیؒ اپنے مریدوں کے ساتھ سیر کے لئے نکلے۔ دیکھا کہ ایک گیلی لکڑی کسی جگہ جل رہی ہے۔ اور اس لکڑی کے دوسرے سِرے سے کچھ جھاگ اور تَری سی ظاہر ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے مریدوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے طالبو! اگر تم سچ کہتے ہو کہ تمہارے دل میں عشق کی آگ روشن ہے تو کیا وجہ ہے تمہاری آنکھوں سے آنسو نہیں بہتے! کیا ایسی حالت لمحہ فکریہ پیدا نہیں کرتی کہ ؎

دل میں ہو عشقِ صنم - لب پہ مگر نام نہ ہو

حضرت شبلیؒ نے فرمایا۔ کہ اس خواہش میں ایک مدّت گزر گئی ہے کہ مَیں اپنے دل کی گہرائیوں سے اور خلوص سے بھرپور جذبات کے ساتھ خُدا تعالیٰ کے حضور کبھی حَسْبِیَ اللّٰہ کہہ سکوں۔ حالت یہ ہے کہ جب بھی مَیں یہ کلمہ کہنا چاہتا ہوں، میرا دل مجھ سے یہ کہتا سنائی دیتا ہے کہ اے شبلی! تُو کیوں غلط بیانی کرتا ہے۔ اور پھر مَیں چپ ہو جاتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت شبلیؒ اپنی بے خودی اور کیف کے عالم میں حضرت جُنیدؒ کے پاس آئے۔ اس وقت حضرت جنیدؒ کی بی بی صاحبہ اپنے سر میں کنگھی کر رہی تھیں۔ انہوں نے چاہا کہ ذرا پردہ میں ہو جائیں۔ حضرت جنیدؒ نے بی بی صاحبہ کا یہ طرز محسوس کرکے فرمایا کہ ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح بیٹھی رہو۔ شبلی ایسے پُرکیف اور پُر وجد لوگ جس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ تو اپنی بے خودی کے عالم میں جنّت اور دوزخ سے بھی بے خبر ہوتے ہیں۔

حضرت بِشر حافیؒ اپنے عشق باللہ میں ایک خاص رنگ کے حامل تھے۔ ایک دفعہ بے خودی کے عالم میں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک کاغذ پڑا دیکھا جس پر بسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔ آپ نے وہ کاغذ اُٹھا لیا۔ آنکھوں سے لگایا۔ چُوما اور پھر اُسے خوشبو

سے معطر کرکے اپنے کمرہ کی دیوار میں اُونچی جگہ رکھ دیا۔ رات کو آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ اے بشر! تُو نے میرے نام کی عزت کی اور اُسے خوشبودار کیا۔ اب میں تیرے نام کو دنیا اور آخرت میں روشن رکھوں گا اور عزت دونگا۔

- شبلیؒ فرماتے ہیں: ۔ کہ ایک عارف کی مثال زمانہ بہار کی مانند ہے۔ جیسے (۱) بجلی چمکتی ہے (۲) مینہ برستا ہے۔ (۳) بادل گرجتا ہے (۴) ہوا چلتی ہے (۵) پھول کھلتے ہیں۔ (۶) اور بلبل چہکتا ہے۔

اسی طرح (۱) دل سوزِ عشق سے جلتا ہے (۲) آنکھ آنسو بہاتی ہے (۳) ھُوحَق کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ (۴) عاشق جھومتا ہے اور وجد میں آتا ہے (۵) لب مسکراتے ہیں اور دل کی کلی چٹکتی ہے اور (۶) عاشق اپنے محبوب کے خیال میں بے خود ہو کر اس کی یاد میں محو ہو جاتا ہے۔

- شبلیؒ فرماتے ہیں: ۔ اے خُدا! اگر آسمان میری گردن کا طوق بن جاوے اور زمین میرے پاؤں کی بیڑیاں اور سارا جہاں میرے خون کا پیاسا ہو جائے۔ تو ایسے کڑے امتحان کے باوجود بھی اے میرے پیارے! تجھ سے مُنہ نہ پھیروں گا!

- صوفیا کا قول ہے: صحیح اخلاص اور سچی محبّت کی علامت یہ ہے۔ کہ لوگوں کو تعریف اور ہجو اس کے نزدیک برابر ہو۔ نیکی کر کے بھول جائے اور اس کے بدلے آخرت سے بھی ثواب کی اُمید نہ رکھے۔

- لوگوں نے ایک دن شبلیؒ سے پوچھا۔ کہ آپ صرف اللہ۔ اللہ! کیوں کہتے ہیں۔ لا اِلٰہَ اِلاّ اللّٰہ کا کیوں نہیں وظیفہ کرتے.... آپ اس وقت ایک خاص وجد اور کیف کے عالم میں تھے۔ فرمایا کہ غیر کا وجود جب دل میں ہے ہی نہیں۔ تو نفی کس چیز کی؟

- ایک دفعہ ایک بزرگ نے شبلیؒ کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ مرنے کے بعد خدا تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا؟ فرمایا کہ سب سے بڑا انعام تو یہ کیا۔ کہ اپنے دیدار سے مشرف کیا۔

نیز فرمایا۔ کہ ہاں مجھ سے ایک جواب طلبی ضرور ہوئی کہ مَیں ایک دفعہ کہہ بیٹھا تھا۔ کہ اے شبلی! کوئی نقصان اس سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ کہ تو بہشت سے محروم ہو جائے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تو میرے دیدار سے محروم رہ جائے۔

- فنا فی اللہ کی کیفیت کے بارہ میں صوفیا کا کہنا ہے کہ جس چیز سے شراب بنائی جاتی ہے۔ طبعی بات ہے کہ اس کا اثر شراب میں ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص شراب توحید کے نشہ سے سرشار ہو اور اُسی میں مست ہو۔ اس میں "وحدانیتِ ربی" کا اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت بایزید بسطامیؒ کے دل سے انی انا اللہ کا اثر نمودار ہوا۔ منصور حلاّج کے دل سے انا الحق کی صدا بلند ہوئی۔ جو گو بظاہر بے ادبی کا رنگ رکھتی تھی مگر حقیقتاً یہ الفاظ معبودِ حقیقی کے آئینہ کے علمبردار تھے۔ یہ اہلِ تصوف کی ایک فلسفیانہ توجیہہ ہے مگر اس بارہ میں احتیاط لازم ہے۔

۹ حضرت خواجہ ابوالحسن کے متعلق روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ اپنی چادر بغرض برکت مجھے عنایت فرما دیجئے۔ حضرت نے یہ جان کر کہ یہ ابھی اس برکت کا اہل نہیں ہے فرمایا کہ پہلے مجھے ایک سوال کا جواب دو۔ اس کے بعد چادر کا مسئلہ حل کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اگر ایک مرد عورت کی چادر اوڑھ لے تو کیا وہ مرد عورت بن جائے گا؟ سائل نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا۔ اسی طرح اگر ایک عورت مرد کی چادر اوڑھ لے تو وہ مرد نہیں بن جائے گی۔ پس اسی طرح میری چادر بھی تمہیں کوئی خاص فائدہ نہ دے گی۔ جو نامرد ہے وہ نامرد ہی رہے گا۔

۹ حضرت بایزید نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ جس نے مجھے دیکھا۔ اس نے بدبختی سے نجات پائی۔ ایک عقیدتمند نے عرض کیا کہ کیا بایزیدؒ کا درجہ اور مقام آنحضرتؐ سے بھی بڑا ہے۔ کہ ابولہب اور ابوجہل اور کئی منکروں نے آنحضرتؐ کو دیکھا مگر وہ بدبخت کے بدبخت ہی رہے۔

آپ نے فرمایا۔ اے نیک بخت! ان کن نمائیوں کی حقیقت تجھے کیا معلوم! حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے آپ کے صحابہؓ کے اور کسی نے نہیں دیکھا۔ برکت کے حصول کے لئے دیکھنے والی آنکھ کی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ کیا قرآن میں نہیں پڑھا۔ وتراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون۔

۹ کہتے ہیں۔ کہ ایک بادشاہ حضرت بایزیدؒ کے قرب میں خیمہ زن ہوا۔ اور حضرت کو پیغام بھجوایا۔ کہ بادشاہ سلامت آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ازراہ کرم قدم رنجہ فرما کر خیمہ تک تشریف لے چلیں۔ اور قاصد سے یہ بھی کہا۔ کہ اگر وہ معذرت کریں تو آیت اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولى الامر منكم پڑھ دینا۔

قاصد حاضر ہوا۔ اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے معاف رکھو اور بادشاہ سلامت سے معذرت کر دو۔ قاصد نے بموجب ہدایت آیہ شریفہ پڑھی۔ مگر آپ نے سُن کر فرمایا۔ کہ بادشاہ سے کہدو کہ آیہ قرآنیہ کی روشنی میں آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر۔ مگر میں آیۂ مذکورہ کے پہلے حصول میں ہی اس قدر محو اور مستغرق ہوں بلکہ شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہ ان پر عمل در آمد میں بھی ابھی پورا نہیں اتر سکا۔ اس لئے آپ کے ارشاد کی تعمیل سے معذرت خواہ ہوں۔ قاصد نے جب واپس آ کر سارا حال کہہ سنایا تو بادشاہ سلامت خود اس صوفی منش بزرگ کی زیارت اور حصول برکت کے لئے اس کے پاس گئے۔ اور حرمت بجالائے۔

۹ کہتے ہیں ایک بادشاہ کا گزر کسی بزرگ فقیر کی جھونپڑی کے پاس سے ہوا۔ فقیر اس وقت جھونپڑی کے باہر بیٹھے دھوپ کا لطف لے رہے تھے۔ بادشاہ نے سلام و کلام کے بعد اس بزرگ سے احتراماً پیشکش کی۔ کہ اگر وہ کوئی خدمت بجا لاسکیں تو اُن کے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔ فقیر نے کہا۔ کہ اللہ آپ کو جزا دے۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مگر بادشاہ نے پھر عقیدت بھرے انداز میں اپنی پیشکش کو دھرایا۔ اور خواہش ظاہر

کی ۔ کہ وہ ضرور کوئی خدمت کرنا چاہتا ہے ۔
اتفاق سے بادشاہ کا سایہ اس فقیر پر پڑ رہا تھا ۔ فقیر نے دوبارہ پیشکش پر اتنا کہا ۔ کہ اگر آپ ضرور کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو ذرا ایک طرف کو ہو جائیے ۔ تاکہ سورج کی گرمی مجھ تک پہنچ سکے ۔

کہتے ہیں منصور حلاج شب و روز عبادت میں مشغول رہتے ۔ لوگوں نے پوچھا ۔ کہ آپ تو انا الحق کا نعرہ بلند کرنے والے ہیں ۔ یہ عبادت کس کی اور یہ نماز کیسی ؟ فرمایا ! اے ظاہر بینو ! تمہیں اس بندگی کے رازوں کا کیا علم ! ہم اس کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں ۔ ہمیں اپنے حال میں مست رہنے دو ۔

ایک بزرگ کا قول ہے ۔ باطن کے اندھے اعتراض کرتے ہیں کہ ما لہٰذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق ۔ مگر ان ظاہر بینوں نے انبیاء کی ظاہری حالت کو اپنی حالت پر اور اپنی صورت پر قیاس کر لیا ہے اور اپنے اندھے پن کی وجہ سے ایک باخدا انسان کے نہاں در نہاں رازوں کی حقیقت کو معلوم نہ کر سکے ۔ شہد کی مکھی اور زنبور نے بھی ایک ہی جگہ سے کھایا پیا ہے ۔ مگر ایک سے صرف نیش اور ڈنگ پیدا ہوا ۔ اور دوسری سے شہد ! کسی نے سچ ہی کہا ہے ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب !

کہتے ہیں ۔ جب منصور حلاج پر لوگوں نے پتھر پھینکنے شروع کئے ۔ تو اُن کے ایک دوست اور ہمراز نے بھی لوگوں کی موافقت میں ایک کنکر آپ کی طرف پھینکا ۔ تب حضرت حلاج نے درد سے ایک آہ بھری ! لوگوں نے پوچھا ۔ کہ حضرت ! لوگوں نے بڑے بڑے پتھر آپ کو مارے ۔ مگر آپ نے اُف تک نہ کی ۔ مگر اُسی شخص نے ایک چھوٹا سا کنکر پھینکا ۔ تو آپ نے درد سے آہ بھر دی ۔ آپ نے فرمایا ۔ لوگ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں ۔ اس لئے معذور ہیں ۔ مگر یہ میرا دوست اور ہمراز تو جانتا ہے ۔ اور میری اس کیفیت سے آشنا ہے اس لئے اس کے فعل سے مجھے تکلیف ہوئی ۔

کہتے ہیں ۔ جب منصور حلاج پتھر لگنے سے زخمی ہو گئے ۔ تو انہوں نے خون آلودہ ہاتھوں کو اپنے مُنہ پر ملا ۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا ۔ تو فرمایا ۔ کہ میرے بدن سے بہت سا خون بہہ گیا ہے جس سے میرے منہ کا رنگ زرد پڑ گیا ہے ۔ اس خیال سے کہ اس زردی کو تم لوگ خوف سے تعبیر کرو ۔ مَیں اپنے منہ کو سُرخ کرتا ہوں تا تمہاری نظروں میں سرخرو دکھائی دُوں ۔

تصوّف انسان کی ایک اندرونی اور نہاں کیفیت ہے ۔ جس کا تصوّر بعض دفعہ ایک ظاہر بین صحیح طور پر نہیں کر سکتا ۔ اسلئے محض ظاہری حالت سے کسی کے بارہ میں کوئی ناپسندیدہ نتیجہ اخذ کر لینا مناسب نہیں ۔ ایک سبق آموز حکایت ہے ۔ کہ

ایک دفعہ ایک مسافر دریا کے کنارے جارہا تھا۔ کہ ایک حبشی کو دُور سے دریا کے کنارے ایک عورت کے ساتھ شراب پیتے دیکھا۔ شراب کا شیشہ آگے دھرا نظر آرہا تھا۔ مسافر نے حبشی کے متعلق اچھا گمان نہ کیا۔ اور اس سے پہلو تہی کی۔ اتنے میں ایک کشتی دریا میں نظر آئی جو ڈوب رہی تھی اور چھ سات آدمی جو اُس کشتی میں سوار زندگی اور موت کی کشمکش میں تھے۔ مسافر نے اس موقعہ پر خود کو بے بس پایا۔ مگر وہ حبشی اُسی وقت دریا میں کُودا اور ڈوبتے آدمیوں کو بچا لیا۔ جس پر مسافر کو پشیمانی ہوئی اور یہ احساس اس وقت کچھ اور بھی سوا ہوگیا۔ جب اُس حبشی نے اُس مسافر کی طرز کو بھانپتے ہوئے یہ انکشاف کیا۔ کہ یہ شراب نہیں بلکہ عام پانی ہے اور یہ عورت اس کی ماں ہے۔ اس پر اس نیک مسافر نے اپنی غلط فہمی کا احساس کرتے ہوئے حبشی سے معافی طلب کی!

فَاجْتَنِبُوا كَثِيراً مِنَ الظَّنِّ - اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ -

۶ کہتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ عشاء کی نماز کے بعد سے صبح کی نماز تک نہایت سوز و گداز اور پُرخلوص جذبات محبت کے ساتھ کھڑے اللہ اللہ کیا کرتے اور اکثر رات کے وضو سے ہی صبح کی نماز پڑھتے۔ بعض بدخواہوں نے آپ کی شکایت خلیفہ کے پاس کردی۔ کہ جنید کے طریق عبادت سے لوگ فتنہ میں پڑھتے ہیں۔ خلیفہ کے لئے بھی بغیر کسی حجت اور دلیل کے ایسی عبادت سے روکنا اور یکسر منع کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے لئے کئی حیلے اختیار کئے۔ مگر اُن کی عبادت کے جوش کو مدہم کرنا اور انہیں اعتدال پر لانا کسی کے بس میں نہ تھا۔ آخر ایک تجویز کی گئی۔ کہ ایک خوبصورت لونڈی کو بنا سنوار کر۔ زیورات اور اعلیٰ کپڑوں سے آراستہ کر کے رات کے وقت اُن کے پاس بھیجا گیا۔ کہ وہ اپنے حسن و جمال سے انہیں متوجہ کرے۔ مگر حضرت جنیدؒ کی ایک ہی نظر اس لونڈی پر اپنا کام کر گئی۔ اور بجائے انہیں گمراہ کرنے کے وہ خود رام ہوگئی۔ یہ ماجرا دیکھ کر جنیدؒ نے خلیفہ سے شکوہ کیا۔ کہ شاید اُن کے ایماء سے لوگ ان کی چالیس برس کی ریاضتیں برباد کرنا چاہتے ہیں۔ جو اچھے لوگوں کا شیوہ نہیں۔ فرمایا۔ کہ میرا ایمان تو یہی ہے۔ کہ

اللہ بس اور باقی ہوس!

۷ کہتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کو ایک دفعہ خواہش ہوئی۔ کہ شیطان کو دیکھیں۔ مسجد کے سامنے کھڑے تھے۔ کہ دفعتہً ایک بڈھا نمودار ہوا۔ فرماتے ہیں۔ میں نے اُسے دیکھا تو کچھ وحشت سی ہوئی۔ تاہم میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہنے لگا۔ کہ میں تیری آرزو ہوں۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ اے ملعون! تجھے کس چیز نے آدم کو سجدہ کرنے سے روکا تھا۔ کہنے لگا۔ کہ خدا کے غیر کو بھلا سجدہ کب سزاوار تھا۔ حضرت جنیدؒ اس ملعون کی بات سے حیران رہ گئے۔ مگر دفعتہً غیب سے ایک ندا سنائی دی۔ کہ اس کو کہہ کہ بندے کا کام تو حکم کی اطاعت کرنا

ہے۔ پھر تُونے کیوں انکار کیا۔ غیب کی یہ آواز ملکے سے رنگ میں اس ملعون نے بھی سُنی۔ اور سن کر چلا اُٹھا۔ اور پھر نظر نہ آیا۔

۱۳ ایک مرتبہ ایک شخص نے مسجد میں سوال کیا۔ حضرت جنید رحمۃ نے بُرا منایا۔ کہ یہ تندرست آدمی کیوں سوال کرتا اور ذلیل ہوتا ہے۔ اُسی رات آپ کو خواب میں ایک طباق نظر آیا۔ جو سرپوش سے ڈھکا ہوا تھا۔ آپ نے سرپوش اٹھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کو طباق میں وہی سوال کرنے والا شخص مردہ حالت میں نظر آیا۔ یہ دیکھ کر آپ کے دل میں کراہت پیدا ہوئی اور فرمایا میں اسے نہیں کھاؤں گا۔ جس پر آواز آئی کہ کل مسجد میں تو تُونے مُردہ کا گوشت کھا لیا تھا۔ اب کیوں نہیں کھاتا ".... یہ ایک تمثیلی نظارہ تھا جس سے آپ سمجھ گئے کہ میں نے دل میں اس گداگر کی غیبت کی تھی۔ یہ اس کی بازپرس ہو رہی ہے۔ (کلام پاک میں بھی یہ امر تمثیلی طور پر بیان شدہ ہے کہ جو غیبت کرتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے) بہرحال آپ اُسی وقت اُٹھے۔ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ اور اس شخص کی تلاش میں نکل پڑے اور بالآخر اُسے دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھا پایا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ وہ پانی پر تیرتے ہوئے پتے کھا رہا ہے۔ آپ نے اُسی وقت اُس سے معافی مانگی۔ اور اپنے فعل سے توبہ کی۔ جس پر غیب سے آواز آئی۔ ھوالذی یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ اس سے انہیں اطمینان حاصل ہوا۔ کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی۔

۹ اسی طرح ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بڑھیا حضرت جنید کے پاس آئی اور کہا۔ کہ میرا بیٹا غائب ہو گیا ہے۔ آپ دُعا فرمائیے کہ وہ لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا کہ صبر کر! وہ پھر آئی اور دُعا کی طالب ہوئی۔ آپ نے پھر فرمایا صبر کر! اس کے بعد پھر تیسری دفعہ وہ آئی۔ تو آپ نے پھر یہی نصیحت کی۔ مگر اب کی دفعہ بڑھیا نے کہا کہ اب مجھ میں صبر کی طاقت نہیں۔ خُدا کے لئے میرا کوئی علاج کرو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تُو سچ کہتی ہے تو تیرا بیٹا بہت جلد واپس آجائیگا۔ کیونکہ خُدا فرماتا ہے۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ چنانچہ جب بڑھیا گھر گئی تو بیٹا واپس آگیا تھا۔

۹ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مجذوب کو ایک دفعہ کسی سے عشق ہو گیا۔ جس پر لوگوں نے اُسے کافی ایذا دی اور بالآخر اُسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ حضرت جنید کا گزر اس طرف سے ہوا۔ تو اس کے مجازی عشق کی داستان سُن کر فرمایا۔ کہ ایک لحاظ سے اس شخص کا جذبہ قابل قدر ہے جو اپنے مقصد کے حصول میں مر گیا اور جو کام اس نے شروع کیا تھا۔ اس کے لئے اُس نے اپنی جان تک بھی دے دی۔ حقیقی عشق کا دعویٰ کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے ؛

(بقیہ از صفحہ ۲۴)

چنانچہ ابوجندل رضؓ نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور پھر انہی مصائب پر گرفتار ہو گئے لیکن پائے ثبات عزم حوصلہ میں کوئی لغزش نہ آئی کمال صبر وضبط سے کام لیا۔
(بخاری باب الشروط والمصالحۃ)

حضرت ابو سعید صندلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم نے فرمایا۔ جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ اس کو اجر دے گا۔ اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی اور کوئی بخشش نہیں ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔
"صبر کا ہتھیار ایسا ہے۔ کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔ صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کر لیتا ہے۔" (ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۲۰۴)

"قرآن شریف سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ابتلاء آویں جیسے فرمایا۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون .... اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہوتا ہے جو وہ انسان کو بعض اوقات ابتلا میں ڈال دیتا ہے اس سے اس کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی ہیں۔" (الحکم ۱۷ر فروری ۱۹۰۲ء)

"خدا کی محبت یہی ہے کہ ابتلاء میں ڈالتا ہے اور اس سے اپنے بندے کی عظمت ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً کسریٰ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم نہ دیتا تو یہ معجزہ کہ وہ اسی رات مارا گیا کیسے ظاہر ہوتا۔ اور اگر مکہ والے لوگ آپ کو نہ نکالتے تو انا فتحنا لک فتحا مبینا کی آواز کیسے سنائی دیتی۔ ہر ایک معجزہ ابتلاء سے وابستہ ہے۔ غفلت اور عیاشی کی زندگی کو خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ کامیابی پر کامیابی ہو تو تضرع اور ابتہال کا رشتہ تو بالکل رہتا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ دردناک حالتیں پیدا ہوں۔" (البدر ۸ر مارچ ۱۹۰۶ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کی راہوں پر چلاتے ہوئے فلاح دارین سے نوازے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

از جناب شیخ منیر احمد صاحب عزیز آباد کراچی

بائیسکل

خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ احمدی زیادہ سے زیادہ بائیسکل رکھیں۔ اور زیادہ تر اسی پر سواری کریں۔ یہ بات حضور نے تقریباً پندرہ سال قبل فرمائی تھی چنانچہ ہر احمدی نے اس ارشاد پر لبیک کہا۔

جس وقت حضور نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کسی وقت ایندھن (Energy) کی کمی واقع ہوگی اور اس کی قیمت بہت زیادہ ہوجائے گی۔ لیکن اب یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ حضور کا ارشاد کتنا حقیقت پر مبنی اور ہمارے مفاد میں تھا۔ کیونکہ اب پٹرول کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اور کاروں والے حضرات کے لئے انہیں استعمال کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔

میرے دفتر کے ایک ساتھی مجھے کہا کرتے تھے کہ منیر صاحب آپ کچھ تو اپنی پوزیشن کا خیال رکھیں اس کے علاوہ عمر کا تقاضا بھی ہے کہ آپ موٹر سائیکل یا کار پر دفتر آیا کریں۔ بائیسکل تو چوکیدار یا چپڑاسی استعمال کیا کرتے ہیں۔ میں انہیں بتاتا تھا کہ اوّل تو ہمارے خلیفہ وقت کا حکم ہے۔ دوسرے تین میل کا سائیکل سفر کوئی مشکل نہیں ہے۔ میرے اس ساتھی نے مدت کی آرزو کے بعد ایک کار خریدلی۔ لیکن جب سے پٹرول کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ وہ صاحب کار گھر پر کھڑی رکھتے ہیں۔ اور خود بس پر یا پیدل چل کر دفتر آتے ہیں۔ اور اب مجھے اکثر کہتے ہیں کاش میں بھی بائیسکل چلا سکتا۔ آرام طلبی کی عادت کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ بائیسکل چلانا بہت مشکل کام ہے۔ یا اس پر سوار ہو کر بے عزتی محسوس کرتے ہیں۔ آخر انہوں نے کار کو بیچ کر ہی اس سے چھٹکارا حاصل کیا۔

بائیسکل ایک ایسی سواری ہے جس میں کوئی ایندھن استعمال نہیں ہوتا۔ اور ایندھن کے خرچ کے بغیر اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہیّہ اس

دَور کی سب سے پہلی سائنسی ایجاد ہے۔ بائیسکل اسی کی نمائندگی کرتا ہے۔ سائیکل کی CHAIN بھی دندانے دار چکروں پہ گھومتی ہے۔ اگرچہ تیز رفتاری میں بائیسکل موٹرسائیکل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن پھر بھی ہم اپنے بدن کی معمولی سی طاقت استعمال کر کے اپنی رفتار میں اضافہ کر لیتے ہیں۔ ہمیں کار یا موٹرسائیکل کی افادیت سے انکار نہیں ہے اور ان کے استعمال پہ ہرگز اعتراض نہیں۔ یہ ہمارے دور کی نہایت مفید ایجاد ہے۔ اور اس سے حتی المقدور فائدہ بھی اٹھایا جاتا ہے لیکن جہاں ان کے بغیر کام چل سکتا ہو وہاں پر بہرحال ان سے پرہیز ضروری ہے۔ چار پانچ میل کے علاقہ میں بائیسکل پہ سواری کرنا زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ موٹرسائیکل رکھنا تو آج کل فیشن بنا ہوا ہے اور بعض لوگ کار یا موٹرسائیکل استعمال کر کے فخر محسوس کرتے ہیں اور بائیسکل پہ سواری کرنا معیوب سمجھتے ہیں۔ گویا یہ کوئی کم تر اور گھٹیا سواری ہے۔ دراصل ہمارے معاشرے کی ذہنیت اس قدر پست ہو چکی ہے کہ اگر ایک آدمی کار پہ سوار ہو کر آتا ہے تو اسے موٹرسائیکل سوار سے افضل اور موٹرسائیکل سوار کو بائیسکل سوار سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ کوئی چیز فخر کے لائق ہو بھی تو وہ انسان کا کردار ہونا چاہیئے۔ نہ کہ ظاہری نمود و نمائش اور دولت کا اظہار۔ اس جگہ ہمیں چین اور بھارت سے سبق لینا چاہیئے۔ جہاں بائیسکل چلانا فخر کی علامت ہے اور ہر خاص و عام اس پہ سوار نظر آتے ہیں۔ چو این لائی پریذیڈنٹ ہو کر بھی بائیسکل استعمال کرتا تھا لیکن پھر بھی اس کے رتبے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اس قسم کی ذہنیت قوم اور ملک دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہوتی ہے جس ملک کی معیشت کا انحصار غیر ملکی قرضوں پہ ہو اس کے افراد کاروں کے بیجا استعمال کے کیونکر متحمل ہو سکتے ہیں؟ جب کہ بیرونی ممالک سے زرِمبادلہ کے عوض انہیں خریدا جاتا ہے۔

بغیر سواری والے حضرات کو گھنٹوں بس کے انتظار میں کھڑا ہونا پڑتا ہے اور پھر دفتری اوقات میں تو اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ اگر انسان کو جلدی جانا ہو۔ تو رکشہ ٹیکسی والا منہ مانگے دام مانگتا ہے۔ ایسے وقت ایک بائیسکل ہے جو ہمہ وقت تیار نظر آئے گا۔ آپ فوراً اس پہ سوار ہو کر منزلِ مقصود پہ پہنچ جائیں گے۔ جب کہ بس پہ سوار ہونے والا ابھی یا تو بس کی آمد کا منتظر ہوگا یا تیز رفتاری کے باوجود جگہ جگہ رکنے کی وجہ سے بس دیر سے پہنچ پائے گی۔ کیونکہ اسے تو لمبی سڑک پہ چلنا ہے۔ اور بائیسکل SHORT CUT کر کے پگ ڈنڈیوں کے

راستے فاصلہ جلد طے کر لے گا۔ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ چوکھا۔

احمدیوں کے لئے تو فخر کی یہ بات ہے کہ ہم اپنے پیارے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں گویا آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام۔ سب سے سستی سواری۔ تنگ سے تنگ گلی میں اور پگ ڈنڈی پر بھی چل سکتی ہے۔ سڑک پر کسی وجہ سے اگر کاریں رکی ہوئی ہیں اور ٹریفک جام ہے لوگ پریشان ہیں لیکن سائیکل سوار تنگ راستوں سے ہوتا ہوا۔ اور بعض دفعہ اتر کر فٹ پاتھ سے ہو کر یہ جا وہ جا رواں دواں ہو جاتا ہے۔ نہ روڈ ٹیکس کا جھگڑا اور نہ ڈرائیونگ لائسنس کی ضرورت۔ چوری ہو جانے پر زیادہ غم بھی نہیں ہوتا۔ ٹوٹ پھوٹ جائے تو مرمت سستی۔ جسمانی لحاظ سے بائیسکل سوار چست و چالاک رہتا ہے۔ جسم پر چربی نہیں چڑھتی دل کے عارضے سے بچا رہتا ہے۔ سردیوں میں بھی پسینہ آکر جسم کا گندا مواد خارج ہوتا رہتا ہے۔ بھوک زیادہ لگتی ہے۔ آدمی ہشاش بشاش رہتا ہے کاروں یا موٹر سائیکلوں کے نایاب اور مہنگے پرزوں کے لئے مارے مارے پھرنے سے آزاد۔ پیٹرول پر جو رقم خرچ کرنی ہو وہی تحریکِ جدید کے چندہ میں کیوں نہ دی جائے۔

کم از کم احمدیوں میں یہ امتیاز ضرور ہے کہ وہ بائیسکل سوار کو حقیر نہیں سمجھتے۔ لیکن ابھی اس میں بہت گنجائش ہے۔ بعض احمدیوں نے اپنے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر بائیسکل خرید تو لیا۔ لیکن اسے استعمال کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ بائیسکل گھر پہ موجود ہے۔ لیکن خواہ سبزی لینے نزدیک کے موڑ پر ہی کیوں نہ جانا ہو۔ موٹر سائیکل یا کار پہ جائیں گے کیونکہ سبزی والا سائیکل والے کو غریب سمجھ کر دیر سے توجہ دے گا۔

آخر میں گذارش ہے کہ ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ بائیسکل خریدنے چاہئیں اور اپنے پیارے آقا کے ارشاد کے مطابق بائیسکل پر سواری کی عادت کو عام کر کے دین و دنیا دونوں سے مستفیض ہونا چاہیئے اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

"انصار اللہ" کی ترویج و اشاعت انصار اللہ کا فرض ہے۔

تقرر ناظمین اضلاع انصاراللہ

مجالس انصار اللہ کی اطلاع کے لئے تحریر ہے کہ صدر محترم مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے درج ذیل اصحاب کا انتخاب بطور ناظمین اضلاع انصار اللہ دسمبر/ فتح ۱۳۶۱ہش/ ۱۹۸۲ء تک منظور فرمایا ہے اللہ تعالےٰ مبارک کرے۔ آمین

۱۔ ناظم ضلع راولپنڈی	مکرم سعید احمد صاحب
۲۔ " " لاڑکانہ	" محمد اصغر اڑہ صاحب
۳ " " سکھر	" قریشی عبدالرحمٰن صاحب
۴ " " وہاڑی	" ماسٹر شمس الدین صاحب
۵ " " قصور	" چوہدری اللہ دتا صاحب
۶ " " پشاور	" عبدالسلام خان صاحب
۷ " " جہلم	" سید بشیر احمد شاہ صاحب

(قائد عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

بدل اشتراک

اندرون پاکستان

قیمت سالانہ ۔/۱۵ روپے
" فی پرچہ ڈیڑھ روپیہ

بیرون پاکستان

بذریعہ ہوائی ڈاک یکصد روپیہ سالانہ
" بحری ڈاک ۴۰ روپے سالانہ۔

۱۹۸ء

در ج
یاہے

انصاراللہ کا تئیسواں مرکزی سالانہ اجتماع

اجتماع

31 اخاء/اکتوبر یکم و 2 نبوت/نومبر 1359 ہش / 1980ء ربوہ میں منعقد ہو گا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالی بنصرہ العزیز کی منظوری سے تمام مجالس کی اطلاع کے لئے **اعلان** ہے کہ انصاراللہ کا تئیسواں مرکزی سالانہ اجتماع انشاءاللہالعزیز

مورخہ ۳۱ اخاء/اکتوبر یکم و ۲ نبوت/نومبر ۱۹۸۰ء/۱۳۵۹ ہش

بروز جمعہ - ہفتہ - اتوار ربوہ میں منعقد ہو گا -

تمام انصار سے درخواست ہے کہ وہ اس اجتماع میں شمولیت کے لئے

ابھی سے تیاری شروع کر دیں -

(قائد عمومی مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا -